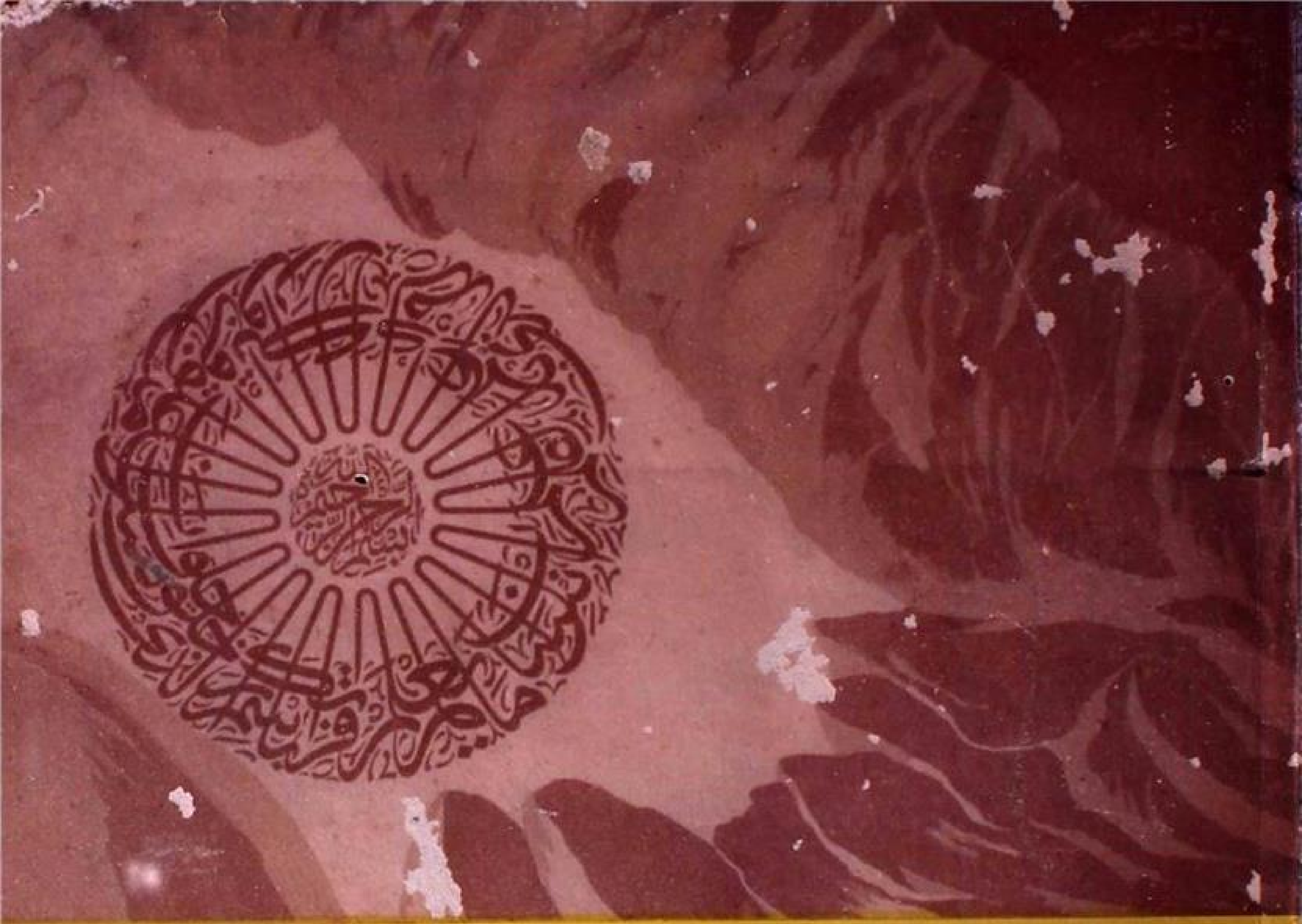

نعت نمبر

صریرِ خامہ

نگراں
شیخ ایاز
(وائس چانسلر)

مرتب
حمایت علی شاعر

شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی

نگران

شیخ ایاز

(وائس چانسلر)

معاونین

ڈاکٹر نجم الاسلام (صدر شعبہ)

ڈاکٹر سخی احمد ہاشمی

ڈاکٹر شاہ محمد نعیم ندوی

بیگم رابعہ اقبال

اظہر قادری

سعدیہ نسیم

صریرِ خامہ

نعت نمبر

مرتب

حمایت علی شاعر

تزئین

اعجاز محمد صدیقی

شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی

بلغ العلیٰ بکمالہ

کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ

صلو علیہ و آلہ

رمضان المبارک

۱۳۹۸ ھ

۱۹۷۸ء

تعداد ۱۰۰۰

اعجاز محمد صدیقی، منیجر، سندھ یونیورسٹی پریس، حیدرآباد سندھ نے طبع کیا۔

فہرست

عرض مرتب	حمایت علی شاعر	
نعت رسول کریم با آیات قرآن حکیم	مرتبہ: مولانا سید حسن مثنیٰ ندوی	(i)
روشنیٔ دوام	شیخ ایاز	(iii)
شاہ لطیف کا نعتیہ کلام	ترجمہ: شیخ ایاز	(viii)
صحابہؓ کرام کی نعت گوئی	ڈاکٹر ابوالفتح محمد صغیرالدین	(ix)
اردو میں نعتیہ شاعری کے سات سو سال	حمایت علی شاعر	الف تا ۱۲۰
شہیدی کی نعت	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	۱۲۱
محسن کاکوروی کی نعت گوئی	ڈاکٹر سید سخی احمد ہاشمی	۱۵۹
امیر مینائی کی نعت گوئی	ڈاکٹر شاہ محمد نعیم ندوی	۱۲۵
اردو نعت کے مطالعے	ڈاکٹر نجم الاسلام	۱۲۹
ھندو شعرا بارگاہ رسول میں	اظہر قادری	۱۳۰
اردو کے چند کمیاب میلادنامے	سعدیہ نسیم	۱۳۵
قدیم اردو نعت گوئی	فہمیدہ شیخ (ریسرچ فیلو۔ پی ایچ۔ ڈی)	۱۵۳
نعتیہ مجموعے اور دواوین	عفت بانو۔ شگفتہ نسرین (سابق طالبات)	۱۶۳
منتخب اقتباسات	جاوداں میر (ریسرچ فیلو۔ پی ایچ۔ڈی)	(xvi)-۱۳۹
	شعبۂ تقابل ادیان و ثقافت اسلامی	۱۵۸-۱۵۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مکمل اور جامع نظام زندگی پیش کرنے پر مفکرین، مورخین اور نابغہؑ روزگار علماؑ و فضلا کو آپ صہ کی بے نظیر ذہانت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کلام الٰہی قرآن حکیم کی صورت میں نازل ہوا، اس کے مطالعہ سے اہل علم کی نظر میں وسعتیں پیدا ہوئیں اور اسکی روشنی میں انہیں انسان، اور کائنات اور اس کے رفیع و برتر علت العلل کے مابین تعلق و رابطے کا ادراک میسر آیا۔

ڈاکٹر ہیرونگ ہرشفیلڈ (Dr. Herwing Hirschfeld) اپنی جدید تصنیف "قرآن مجید کی تدوین و تفسیر پر جدید تحقیقات" میں اس طرح رقمطراز ہے "ہمیں قرآن پاک کے سر چشمہؑ علوم ہونے پر متحیر نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے ہر موضوع پر جس کا تعلق ارض و سما سے ہو، متعدد مقالوں کو ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ جب اسلامی دنیا میں روحانی فکر و عمل کا آغاز ہوا تو یہ محض علم الٰہیات کی مذہبی موشگافیوں اور قیاس آرائیوں تک محدود نہیں رہا بلکہ اس کے برعکس محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار مناظر فطرت کی وحیوں میں ہماری توجہ شمس و قمر اور فلکیاتی گردش کی جانب مبذول کرائی ہے اور بتایا ہے کہ یہ سب معجزات الٰہیہ اور شعائر ربانیہ کے مظاہر ہیں جنہیں انسانی خدمت کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے اس لیے انکی پرستش قطعی ناروا ہے۔"

اس انکشاف حقیقت نے مظاہر پرستی، فطرت پرستی، ضعیف الاعتقادی اور اصنام پرستی پر کاری ضرب لگائی۔

اور یہ ضرب کسی ایسے شخص نے نہیں لگائی جس نے دنیاوی علوم کے سہارے اپنے محقق یا فلسفی ہونے کا دعویٰ کیا ہو بلکہ یہ وہ ہستی تھی جس کا طرہؑ امتیاز خاتم المرسلین تھا۔

یہ پیغمبر آخرالزماں شمع ابدی ہیں اور ہر طرح کی عزت و مرتبت کے حامل ہیں اور انہوں نے فرمایا کہ اس کائنات کی ساری مخلوقات میں صرف انسان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ خلیفۃ اللہ کے بلند منصب پر فائز ہے۔ وہ حالات اور ماحول کا پروردہ اور برق و رعد کی مخلوق نہیں ہے، نہ ہی وہ ملائکہ کا دست نگر ہے بلکہ اس کا اپنے خالق سے نہایت گہرا اور بلاراست تعلق ہے کیونکہ اللہ رب العالمین بفحوائے "نحن اقرب الیہ من حبل الورید" انسان کی، وہ مرد ہو یا عورت، بلا امتیاز رنگ و نسل، شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، اس لیے اسکو رب کائنات سے بالراست نسبت کا شرف حاصل ہے۔

مزید یہ کہ پوری انسانی تاریخ میں کسی اور فرد کی نشاندھی نہیں کی جا سکتی جس نے انسان کامل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر علم و حکمت کی تحصیل پر زور دیا ہو اور یہ فرما کر " العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ" ہر مرد اور ہر عورت پر علم کے حصول کو فرض قرار دیا ہو۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

کیا ایسی اور کوئی شخصیت ہے جس نے علم و حکمت کو "الحکمۃ ضالۃ المومن" کہکر علم و حکمت کو گم شدہ دولت سے تعبیر کیا ہو اور ہدایت کی ہو کہ "جہاں کہیں بھی اسے پاؤ، اسے حاصل کرو۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل چند با اثر لوگ ہی علم و حکمت کے اجارہ دار بنے ہوئے تھے، جنہوں نے عامۃ الناس پر حصول علم کے دروازے قطعاً بند کر رکھے تھے۔

آئیے ایک جامعہ سے متعلق ہونے کی حیثیت سے اس امر کا جائزہ لیں کہ قرآنی تعلیمات کی روشنی نے جب عربوں کے دل و دماغ کو منور کیا اور ان میں بیداری کی لہر آئی تو اس کے کیا ثمرات مرتب ہوئے۔ اس سلسلہ میں ایک مغربی مصنف رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) نے اپنی کتاب "تشکیل انسانیت" میں ریگزار عرب کے بدوؤں کی ذہنی بالیدگی کا اسطرح تذکرہ کیا ہے کہ "ہماری سائنس پر عربوں کا جو احسان ہے وہ متحیرانہ انکشافات یا انقلابی نظریات ہی کا عکاس نہیں ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہماری سائنس عربی ثقافت و تجربات کی ممنون نظر آتی ہے۔ موجودہ سائنس نے اسی ثقافت و انکشافات سے جنم لیا ہے۔"

"صبر آزما تحقیق و تجسس، مثبت علوم کی فراہمی، سائنسی دقیقہ رسی، وسیع مشاہدات اور تجرباتی باریک بینی جیسے علمی لوازمات اپنی ماہیت کے اعتبار سے بحیثیت مجموعی، یونانی مزاج سے کوئی تعلق نہیں رکھتے بلکہ آج جس تحقیق کو ہم سائنس سے تعبیر کرتے ہیں وہ اس وجہ سے ظہور پذیر ہوئی کہ تحقیق و تجسس میں روح نو کی تخلیق ہوئی، انکشافات کے نئے نئے طریقے دریافت کئے گئے، ریاضیات کو پروان چڑھایا گیا اور یہ سب کچھ، ایسی شکل میں رونما ہوا جس سے یونانی قطعاً آشنا نہ تھے، چنانچہ مغربی دنیا میں اس روح تحقیق اور اسالیب انکشافات کو مروج کرنے کا سہرا عربوں کے سر ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ ممتاز شخصیت ہیں جنہوں نے ہماری دنیا کو زندگی کی سطح مرتفع پر لا کھڑا کیا، اسے حیات۔ نو بخشی اور اسے دورِ جدید میں ہمیشہ کیلئے جلوہ آرا کر دیا۔

لہذا کیا یہ ہمارا حق نہیں ہے کہ ہم نہایت ہی مودبانہ اور منکسرانہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے عرض پرداز ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم ہی وہ شمع ابدی ہیں جن کے ظہور سے اثباتی علوم و فنون کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے انسانیت پر وا ہوگئے۔

آج چونکہ ہماری جامعہ میں "ہفتۂ سیرت" منانے کا اعزاز حاصل کیا جا رہا ہے تو ہمیں یہ فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ جامعہ اور کلیات کی یہ مبارک سرگرمیاں درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم ہی سے عقیدت و محبت کا ثمرہ ہیں۔

ول ڈوریئنٹ (Wil Durant) نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف (The Age of Faith) میں پورے کے پورے ابواب وقف کردیئے ہیں جن میں مختصراً اِس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ دنیائے علم و دانش کس قدر اس صحرائی پیغمبر (صلی اللہ علیہ و سلم) کی مرہون منت ہے۔ وہ رقمطراز ہے کہ قرآن پاک نے سیدھے سادے عامۃ الناس کو جملہ مذاہب کے بالمقابل سہل ترین، کم از کم متصوفانہ اور رسم پرستانہ دین عطا کیا جو اصنام پرستی اور مشائخ پرستی سے مبرا ہے۔ اس کے پیغام نے اس کے معتقدین کے اخلاقی، ثقافتی اور تہذیبی معیار کو فروغ دیا، سماجی مراتب، نظم و ضبط اور باہمی اتحاد کو پروان چڑھایا اور لوگوں کو آلام و مصائب اور مشکلات زندگی کا بلا چون و چرا مقابلہ کرنے کی استعداد بخشی اور بیک وقت انتہائی حیرت انگیز تاریخی توسیع کے ساتھ ان میں نئی روح پھونکدی۔

یہ وسعت عملی، علمی دنیا میں، جامعات، دانشگاہوں، درسگاہوں اور علمی اداروں کے قیام کا باعث بنی، جن کا دائرہ کار بادشاہتوں اور سلطنتوں سے کم نہ تھا۔ قاہرہ، الیکزینڈریا، یروشلم، ایلپو، بالابک، دمشق، موصل، طوس، نیشاپور اور دیگر بلاد اسلامیہ اپنی علمی درسگاہوں کے لیے شہرہ آفاق بنگئے۔

سنہ ۱۰۶۴ء میں صرف بغداد میں تیس کالج تھے اور مسلمانوں کی یہ علمی سرگرمیاں سنہ ۷۰۵ء تا سنہ ۱۲۵۸ء سائنس کے میدان میں بغیر کسی مدمقابل کے جلوہ آرا رہیں۔ اس دور میں اور اس سے متصل زمانے میں ہی یورپ اور افریقہ میں نامور مسلم اطبا اور حکما پیدا ہوئے۔

ہم سندھ باسی ہونے کی حیثیت سے بخوبی واقف ہیں کہ برصغیر کی اس مقدس سر زمین (سندھ میں) کتنی عظیم اسلامی درسگاہیں تھیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے سندھی علماء و فضلا جو شہر ٹھٹھہ سے تعلق رکھتے تھے، جامعات مصر میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔

ہمارے بیش بہا نجی کتب خانے آج بھی سندھ میں ان بزرگوں کے علم وفضل کے زندہ و جاوید مرقعے ہیں اور اس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اہالیان، سندھ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو ڈھال رکھا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور اسوۂ حسنہ، اپنی جامعیت اور کاملیت میں اپنی مثال آپ ہے اور اس کی شرح و بسط کیلئے دفتر کے دفتر نا کافی ہیں اور ہم کسی طرح بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و سربلندی کے اظہار پر بالکلیہ قادر نہیں ہیں۔

آج ضرورت اس جذبہ، خلوص، عقیدت اور تشکر کی ہے جس کی بدولت انسان کامل، خاتم المرسلین کے ان احسانات کا جو انہوں نے دنیائے انسانی پر کیے ہیں، ہمیں پورا پورا احساس ہو جائے۔

اظہار عقیدت کیلئے ہماری کوششیں خواہ کتنی ہی نا کافی کیوں نہ ہوں، ہمیں ملول نہیں ہونا چاہیئے کہ رب کائنات تو صرف نیتوں کو دیکھتا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے "انما الاعمال بالنیات" 'اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے'۔

ہمارے لیے یہ امر باعث افتخار ہے کہ جناب خالد اسحاق صاحب اس مبارک تقریب کی صدارت کے لیے تشریف لائے ہیں۔ آپ پاکستان کے ایک ممتاز قانون داں اور اسلامی مشاورتی کونسل کے رکن ہیں، مجھے ایک عرصہ سے آپ سے واقفیت کا شرف حاصل ہے اس لیے میں پورے وثوق اور پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کا دین، اسلام اور دیگر مذاہب کا مطالعہ بڑا عمیق اور سیر حاصل ہے۔ آپ ذکی الذہن ہیں اور آپ کی نظر مذاہب پر بڑی حد تک استدلالی اور شائستگی کی حامل ہے۔ میں آپ کو بڑے خلوص و محبت کے جذبات کے ساتھ خوش آمدید کہتا ہوں، اور اس مبارک تقریب کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں۔

یہ خطبۂ افتتاحیہ ۹- فروری سنہ ۱۹۷۸ء کو سندھ یونیورسٹی میں ہفتۂ سیرت کی افتتاحی تقریب میں پڑھا گیا جس کی صدارت جناب خالداسحاق صاحب، رکن اسلامی مشاورتی کونسل نے فرمائی۔

شاہ لطیف کا نعتیہ کلام

(ترجمہ)

شیخ ایاز

اگر اللہ پر رکھتے ہو ایمان   رسول اللہ سے بھی لو لگاؤ
سمائے جس میں ان دونوں کا سودا   کسی در پر نہ اس سر کو جھکاؤ

جنہوں نے دل سے اس یکتا کو مانا   محمدؐ کو بصد اخلاص جانا
نہ اُن کو کوئی گمراھی کا خطرہ   نہ اُن سے دور ھے اُن کا ٹھکانا

کامل ایماں کے ساتھ جس نے بھی   دل سے مانا، زباں سے مانا
جس کی خاطر بنی ھے یہ دنیا   اس محمدؐ کا مرتبہ جانا

فوقیت اُس کو دوسروں پہ ملی   اپنی ھستی کو اُس نے پہچانا
جس نے اس قادر حقیقی کو   وحدہٗ لا شریک گردانا

(شاہ جو رسالو ــ سر کلیان سے انتخاب)

ڈاکٹر ابوالفتح محمد صغیرالدین
شعبۂ تقابل ادیان و ثقافت اسلامی - سندھ یونیورسٹی

صحابہ کرام کی نعت گوئی

نعت کے معنی ہیں کسی کی خوبیوں کو بیان کرنا۔ وصف اور نعت میں فرق یہ ہے کہ وصف میں مدح اور ذم دونوں شامل ہیں اور نعت کا تعلق صرف مدح کے ساتھ ہے۔

لیکن اب یہ الفاظ مستقل اصطلاح بن گئے ہیں اور ممدوح کے اعتبار سے ان کا استعمال ہوتا ہے چنانچہ اگر ممدوح اللہ تعالیٰ ہے تو حمد و ثنا ہے، اور اگر ممدوح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو یہ نعت ہے، اور اگر صحابہ و اہل بیت اور بزرگان دین ہیں تو اس کے لئے منقبت کا لفظ استعمال کرتے ہیں، اور اگر مطلقاً کوئی سربرآوردہ شخصیت ہے تو اس کے لئے مدح استعمال کرتے ہیں۔ نعت اگرچہ نثر و نظم دونوں میں ہو سکتی ہے لیکن اب اس کا اطلاق زیادہ تر اس منظوم کلام پر ہوتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور مدح میں کہا گیا ہو۔

عام مسلمانوں کو عموماً اور صحابہ کرام کو خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عقیدت و محبت اور دلی وابستگی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

صحابہ نے ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معنوی اوصاف کا ذکر کیا ہے تو دوسری طرف آپ کے حسن صورت کا نقشہ بھی پیش کیا ہے، لیکن چونکہ جمال محمدی کا مشاہدہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے کیا تھا اس لئے انہیں تخیل سے کام لینے کی ضرورت نہ تھی جس سے بعد کے لوگوں کو کام لینا پڑا کہ ایوان کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے، آتشکدہ فارس بجھ گیا، دریائے ساوہ خشک ہوگیا۔ نیز چونکہ صحابہ کے پیش نظر یہ حدیث بھی ہوگی کہ "من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار (جس نے میرے متعلق قصداً جھوٹ بات کہی تو وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے)، اس لئے ان کے لئے ناممکن تھا کہ آپ کے اوصاف کے بیان میں خلاف واقعہ مبالغہ آرائی سے کام لیتے۔ چنانچہ آپ کے جو اوصاف و محاسن انہیں واضح اور حقیقی طور پر نظر آئے انہیں سادگی کے ساتھ الفاظ کا جامہ پہنا دیا۔ اس لئے ان کے نعتیہ اشعار کی سب سے نمایاں خصوصیت سادگی، حقیقت نگاری اور بے تکلفی ہے۔ اس سادگی کے ثبوت میں مندرجہ ذیل اشعار پیش کئے

جاسکتے ہیں جو ہجرت کے موقعہ پر مدینہ منورہ کی لڑکیوں نے گا گا کر پڑھے تھے (شاعر کا نام کہیں مذکور نہیں) کہ

طلع البدر علینا   من ثنیات الوداع

پہاڑی کے اس موڑ سے جہاں سے قافلے رخصت کئے جاتے ہیں آج چودھویں رات کا چاند طلوع ہو گیا۔

وجب الشکر علینا   ما دعا للہ داع

جب تک دنیا میں اللہ کا نام لیوا رہے گا ہم پر شکر ادا کرنا واجب رہے گا

ایھا المبعوث فینا   جئت بالامر المطاع

اے ذات پاک جس کو ہمارے درمیان بھیجا گیا ہے، آپ واجب الاطاعت حکم لے کر آئے ہیں۔

اختصار کے پیش نظر چند صحابہ کا ذکر کیا جاتا ہے:۔

۱۔ **کعب رض بن زھیر:** حضرت کعب رض کے والد کا نام زھیر تھا۔ زھیر اصحاب متعلقات میں سے ایک ہے۔ زھیر کے دو صاحبزادے تھے ایک کا نام بجیر رض تھا اور دوسرے حضرت کعب رض تھے۔ بجیر رض تو حضرت کعب رض سے پہلے ہی مسلمان ہوگئے تھے، لیکن حضرت کعب رض نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے ان کا خون مباح کر دیا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں۔ حضرت بجیر رض نے برادرانہ ہمدردی کی بنا پر بھائی کو لکھ بھیجا کہ تمہارا خون مباح کردیا گیا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شریف انسان ہیں، اگر ان کے دربار میں پہنچکر عفو طلب کروگے تو یقین ہے کہ معافی مل جائے گی۔ چنانچہ حضرت کعب رض نے آپ کی شان میں ایک پورا قصیدہ کہا اور بارگاہ نبوی میں حاضری کے لئے روانہ ہو گئے۔ مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچکر اپنی اونٹنی کو بٹھایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھ بھیجا کہ یہ کس کی اونٹنی ہے اور یہ کون شخص ہے؟ حضرت کعب رض نے جواب دیا کہ یہ اونٹنی میری ہے اور میں کعب رض ہوں اور امان کی درخواست لیکر حاضر ہوا ہوں۔ امان ملی تو آپ کے سامنے وہ قصیدہ پڑھا جس میں آپ کی اور آپ کے صحابہ کی مدح کی ہے۔ حضرت کعب رض جب اس شعر پر پہنچے:

ان الرسول لنور یستضاء بہ   مہند من سیوف اللہ مسلول

(بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں جن کے ذریعے ہدایت حاصل ہوتی ہے اور اللہ کی تلواروں میں بے نیام شمشیر ہندی ہیں)۔

یہ شعر سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی چادر مبارک مرحمت فرمائی۔

چادر کو عربی میں "بردہ" کہتے ہیں اس لیے یہ قصیدہ "قصیدۂ بردہ" کے نام سے موسوم ہے۔ لیکن محمد بن سعید بوصیری (متوفی سنہ ۶۹۷ھ) کے قصیدہ کے ساتھ بھی چادر کی روایت وابستہ ہے کہ رسول‌اللہ صلی‌اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ کہا تھا تو رسول‌اللہ صلی‌اللہ علیہ وسلم نے ان کو خواب میں چادر عطا فرمائی جس کی وجہ سے ان کو فالج کے مرض سے شفا حاصل ہوئی تھی اس لیے بوصیری کا قصیدہ بھی قصیدۂ بردہ کے نام سے موسوم ہوا۔ دونوں میں فرق کرنے کے لیے حضرت کعب رضہ کا قصیدہ تو اس کے ابتدائی الفاظ "بانت سعاد" کی وجہ سے قصیدہ بانت سعاد کے نام سے اور بوصیری کا قصیدہ •قصیدہ بردہ کے نام سے مشہور ہے۔ ایک کو چادر حالت بیداری میں ملی تو دوسرے کو خواب میں۔ اس لیے حضرت کعب رضہ کو اور ان کے قصیدے کو جو اہمیت و فضیلت حاصل ہے وہ ظاہر ہے لیکن اس حدیث کی بنا پر کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو گویا مجھے بیداری میں دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل میں نہیں آسکتا، "بوصیری" کا قصیدہ بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

حضرت کعب رضہ کے قصیدے کا ابتدائی شعر یہ ہے:

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول　　　　متیم اثرھا لم یفد مکبول

سعاد جدا ہوگئی اس لیے اس کے فراق میں میرا دل اس غلام کی طرح ذلیل و مطیع ہے کہ اس کا فدیہ دیکر نہ چھڑایا گیا ہو۔

اور آخری شعر یہ ہے:

لایقع الطعن الا فی نحورھم　　　　وما لھم عن حیاض الموت تھلیل

نیزے ان کے سینوں ھی پر لگتے ہیں پیٹھ پر نہیں لگتے اور نہ وہ میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں اس لئے نیزے ان کے سینوں ھی پر لگتے ہیں۔

اس قصیدہ میں پہلے تو اپنی محبوبہ سعاد کا ذکر کیا، اس کے حسن و جمال کو بیان کیا پھر اس کی بے وفائی کا شکوہ کیا۔ اس کے بعد بیان کیا ہے کہ وہ محبوبہ ہم سے جدا ہو کر اتنی دور چلی گئی ہے کہ وہاں مضبوط اور تیز رفتار اونٹنی ھی کے ذریعہ پہنچا جا سکتا ہے۔ پھر اونٹنی کی تعریف بیان کر کے چغلخوروں اور سخن چینوں کا ذکر کیا ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی مدح بیان کی ہے۔ جاہلی ادب میں قصائد کا یہی انداز ہے کہ تشبیب و تمہید کے بعد گریز کے اشعار پھر اصل مدح اور اس کے بعد خاتمہ ہوتا ہے چنانچہ اس قصیدہ میں بھی یہی انداز موجود ہے۔ سنہ ۲۴ھ میں حضرت کعب نے وفات پائی۔

۲۔ حسان بن ثابت رضہ: ان کی کنیت ابوالولید ہے۔ انصاری خزرجی ہیں۔ دربار نبوت کے شاعر ہیں۔ حضرت علی رضہ کی خلافت کے زمانہ میں سنہ ۴۰ ھ سے پہلے وفات پائی اور بعض نے بتلایا ہے کہ سنہ ۵۰ ھ میں وفات ہوئی اور ان کی عمر ایک سو بیس سال کی ہوئی۔ ساٹھ سال جاہلیت کے دور میں اور ساٹھ ہی سال اسلام کے اندر زندہ رہے۔ جب دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تو اپنی شاعرانہ صلاحیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے لئے وقف کردیا اور کفار مکہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو اور بدگوئی کرنے لگے تھے ان کی ہر ہجو کا رد کرنے لگے اور ہر بد زبان کی بد زبانی کا جواب اسی کے لہجے میں دینے لگے۔ اور اس امر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا انہیں حاصل تھی تو روح القدس کی تائید بھی شامل حال تھی۔ ان کے نعتیہ قصائد میں سب سے مشہور قصیدہ وہ ہے جو فتح مکہ سے پہلے ابو سفیان کی ہجو کے جواب میں کہا۔ اس میں پہلے تو تشبیب کا مضمون ہے، پھر شراب اور محبوبہ کا ذکر ہے، پھر شہسواری کے مضمون سے گریز شروع ہوتا ہے۔ اس قصیدہ کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے:

عفت ذات الاصابع فالجواء　　　الی عذراء منزلها خلاء

ترجمہ: ذات اصابع اور جواء کے نشانات عذراء تک مٹ گئے، اس کی جگہ خالی پڑی ہے۔

۳۔ عبداللہ بن رواحہ رضہ:۔ عبداللہ بن رواحہ قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ قادرالکلام شاعر ہی نہیں بلکہ تلوار کے دھنی بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی تھے۔ غزوہ موتہ میں زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب کی یکے بعد دیگرے شہادت کے بعد علم ہاتھ میں لیا اور داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے (سنہ ۸ ھ)۔ اپنی شاعری کی صلاحیت کو بھی اسلام کے لئے وقف کردیا تھا۔ کفار و مشرکین کی ہجو اور بدگوئی کا جواب موثر طور پر دیتے تھے۔

ان کے نعتیہ اشعار میں یہ اشعار بہت مشہور اور مقبول ہیں:

روحی الفداء لمن اخلاقه شهدت　　　بانه خير مولود من البشر

میری روح فدا ہو اس پر جس کے اخلاق گواہی دیتے ہیں کہ وہ بنی نوع انسان میں سب سے بہتر فرد ہیں۔

عمّت فضائله كل العباد كما　　　عم البريه ضوء الشمس والقمر

آپ کے احسانات تمام لوگوں کے لئے عام ہیں جس طرح آفتاب و ماہتاب کی روشنی تمام مخلوقات کے لئے عام ہے۔

۴۔ **حضرت کعب بن مالک رضہ:** مالک کے بیٹے ہیں، انصاری اور خزرجی ہیں۔ غزوہ تبوک میں جو تین صحابہ پیچھے رہ گئے تھے ان میں ایک حضرت کعب بھی تھے۔ سنہ ۵۰ ھ میں ۷۷ سال کی عمر میں نابینا ہونے کے بعد وفات پائی ۔ ان کی سچائی کی بنا پر ان کی توبہ قبول ہوئی اور سورہ توبہ کی آیت و علی الثلاثۃ" الذین خلفوا الخ ان ہی تینوں حضرات کی شان میں نازل ہوئی۔ کعب بن مالک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شعراء میں سے تھے ۔ غزوہ احد کے موقع پر جو قصیدہ کہا تھا اس کے چند اشعار یہ ہیں:

فینا الرسول شھاب ثم یتبعہ نور مضی لہ فضل علی الشھب

ہمارے درمیان رسول ایک ستارے کے مانند ہیں جن سے روشنی کی ایک لو نکلتی ہے جو سب کو روشن کر دیتی ہے اور دوسرے تمام ستاروں کو رونق بخشتی ہے۔

الحق منطقہ والعدل سیرتہ فمن یجبہ الیہ ینج من تبب

ان کی بات حق ہے اور ان کی سیرت عدل ہے۔ جس نے ان کی پیروی کی ہلاکت سے نجات پا گیا۔

۵۔ **حضرت عباس رضہ بن عبدالمطلب:** یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محترم چچا ہیں۔ آپ سے دو سال بڑے تھے ۔ عام الفیل سے قبل پیدا ہوئے۔ جاہلیت میں بڑے سردار تھے ۔ مسجد حرام کی عمارت (یعنی آبادی و احترام) اور سقایہ (آب زم زم پلانا) کی ذمہ داری انہی کے سپرد تھی۔ سنہ ۳۲ ھ میں اٹھاسی سال کی عمر میں وفات پائی ۔ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ ابتدا ہی میں اسلام لے آئے تھے مگر اپنے اسلام کو چھپاتے رہے۔ چنانچہ بدر کے معرکہ میں مشرکین کے مجبور کرنے سے نکلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا مقابلہ عباس رضہ سے ہو تو وہ ان کو قتل نہ کرے کیونکہ وہ زبردستی جنگ میں شریک کئے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت عباس رضہ قید ہوگئے تو فدیہ کی ادائیگی کے بعد رہا ہوکر وہ مکہ واپس ہوگئے پھر اس کے بعد ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو حضرت عباس رضہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو اجازت دیجئے کہ کچھ آپ کی مدح کروں ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کہو، اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو سالم رکھے۔ چنانچہ حضرت عباس رضہ نے آپ کے سامنے جو اشعار پڑھے ان میں سے کچھ یہاں دیئے جاتے ہیں:

من قبلھا طبت فی الظلال و فی مستودع حیث یخصف الورق

زمین پر آنے سے پہلے آپ جنت کے سایہ میں خوشحالی میں تھے اور ودیعت گاہ میں

تھے جہاں جنت کے درختوں کے پتے اوپر تلے جوڑے جاتے تھے۔

و انت لـمـا ولـدت اشرقـت　　　الارض وضاءت بنورکـ الافق

اور جب آپ پیدا ہوئے تو زمین روشن ہو گئی اور آپ کے نور سے آفاق منور ہو گئے۔

فنحن فی ذلک الضیاء و فی النور　　　سبـل الـرشاد نـخـتـرق

پس ہم اس ضیا اور اس نور میں ہدایت کے راستوں کو قطع کر رہے ہیں۔

۶- ابوسفیان رض بن حارث بن عبدالمطلب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے چچا کے بیٹے اور دودھ شریک بھائی ہیں اس لیے کہ حلیمہ سعدیہ نے ان کو بھی دودھ پلایا تھا۔ یہ ان شعراء میں سے ہیں جن کے نقش قدم پر دوسرے چلتے تھے۔ انھوں نے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کہی تھی جس کا جواب حسان بن ثابت نے دیا تھا۔ یہ فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ ان کی وفات کا سبب یہ ہوا کہ انھوں نے حج کیا اور جب نائی نے ان کا سر مونڈا تو ایک مسا جو ان کے سر میں تھا وہ کٹ گیا جس کی وجہ سے یہ تکلیف میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ حج سے واپسی کے بعد سنہ ۲۰ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔ حضرت عمر رض نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت ابو سفیان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ایک مرثیہ کہا تھا جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ارقت و بات لیلی لا یزول　　　و لیل اخی المصیبۃ فیہ طول

میری نیند اچٹ گئی اور رات ختم ہونے پر نہیں آتی ہے، مصیبت والوں کی رات طویل ہوتی ہے۔

اصبنا بالنبی و قد رزأنا　　　مصیبۃ فمحملها ثقیل

نبی کی جدائی کا غم پڑا ہے، اس مصیبت نے ہمیں گھیرا ہے جس کا برداشت کرنا مشکل ہے۔

فلم نر مثلہ فی الناس حیا　　　و لیس لہ من الموتی عدیل

ہم نے کسی زندہ کو ان جیسا نہیں پایا اور نہ وفات پانیوالوں میں ان کا ہمسر ہے۔

۷- عبداللہ بن زبعری رض: پورا نام یہ ہے عبداللہ بن زبعری بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم۔ یہ مکہ کے شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالف تھے۔ ان کا زر و مال، ان کی قوت و طاقت، ان کی شاعری اور زبان آوری سب مسلمانوں کی ایذا رسانی کے لئے وقف تھی۔ قریش کے آتش بیان شاعر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کہتے تھے۔ احد کے مقتولین قریش کا مرثیہ کہا تھا جس کا جواب حضرت حسان رض نے دیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد نجران بھاگ گئے لیکن پھر نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معافی کے طالب ہوئے۔ آپ نے معاف کر دیا تو قبول اسلام کے بعد وہی زبان نعت رسول میں رطب اللسان ہو گئی۔ نعت کے صلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک حلہ بھی عطا فرمایا تھا۔ نعتیہ کلام کا نمونہ درج ذیل ہے:

یا رسول الملیک ان لسانی   راتق ما شققت اذانا بور

اے اللہ کے رسول میری زبان اس چاک کو رفو کر رہی ہے جو میں نے اس وقت چاک کیا تھا جبکہ میں ہلاکت کے راستہ پر تھا۔

ان ما جئتنا بہ حق صدق   ساطع نورہ مضی منیر

بلا شبہ جو دین آپ لائے ہیں وہ حق ہے۔ اس کی روشنی پھیل رہی ہے اور اجالا پھیلا رہی ہے۔

۸۔ **عباس رض بن مرداس:** قبیلہ مضر کی ایک شاخ میں عرب کی مشہور شاعرہ خنساء گذری ہیں، جنھوں نے اپنے بھائیوں کے قتل پر لاجواب قسم کے دلدوز مرثیے کہے ہیں۔ عباس بن مرداس ان ہی خاتون کے صاحبزادے ہیں۔

فتح مکہ سے کچھ پہلے اسلام لائے اور فتح مکہ کے بعد ان کے اسلام میں پختگی پیدا ہو گئی۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو جاہلیت کے دور میں بھی شراب نوشی کو حرام سمجھتے تھے۔

شاعری میں یہ ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ غزوات کے سلسلے میں پرزور قصائد کہتے تھے۔ سال وفات متعین نہیں۔ ان کا نمونہ کلام درج ذیل ہے:

رأتیک یا خیر البریۃ کلھا   نشرت کتابا جاء بالحق معلما

اے تمام مخلوقات میں سب سے بہتر میں نے دیکھ لیا کہ آپ نے وہ کتاب پھیلا دی جو حق کی معلم ہو کر آئی ہے۔

فمن مبلغ عنی النبی محمدا   و کل امرئ یجزی بما قد تکلما

کوئی میرا پیغام نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دے اور ہر شخص اپنے قول کی جزا پاتا ہے۔

۹۔ **فضالہ لیثی:** یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے۔ فتح مکہ کے دن آپ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ فضالہ نے چاہا کہ موقع پا کر آپ کو قتل کر دیں، چنانچہ قتل کے ارادے سے آگے بڑھے۔ قریب پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی کہ فضالہ ہیں؟ فضالہ نے جواب دیا جی ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ ابھی تم دل میں کیا سوچ رہے تھے؟ کہا کچھ نہیں خدا کو یاد کر رہا تھا۔ آپ

یہ جواب سنکر مسکرائے اور استغفراللہ کہکر ان کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ اس سے فضالہ کو بڑا سکون محسوس ہوا۔ اس سعادت کے بعد واپس گھر لوٹ رہے تھے تو راستے میں ایک عورت نے جس سے یہ باتیں کیا کرتے تھے، حسب دستور انہیں بلایا مگر انہوں نے انکار کردیا اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

قالت هلم الى الحديث فقلت لا　　　يابى عليك الله و الاسلام

اس نے کہا آؤ بات چیت کریں، میں نے کہا نہیں خدا اور اسلام نے تیری مخالفت کی ہے۔

لو ما رايت محمدا و قبيله　　　بالفتح يوم تكسر الاصنام

کاش تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے ساتھیوں کو فتح کے دن دیکھتی جب وہ بت توڑ رہے تھے۔

لرايت دين الله اضحى بيننا　　　والشرک يغشى و جهه الاظلام

تو تجھے نظر آتا کہ خدا کا دین ہمارے درمیان روشن ہو گیا اور شرک کے چہرے کو تاریکی نے چھپا لیا۔

ان کے علاوہ عہد نبوی کے شعرا میں مالک بن نمط، اسید بن سلمہ، عمرو بن سالم بن کلثوم الخزاعی، قیس بن بجرہ، اسید بن ابی اناس اور اعشیٰ مازنی بھی اہمیت رکھتے ہیں جو نہ صرف صحابہ کرام میں شامل تھے بلکہ نعت گوئی میں بھی ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔

مزید برآں اس دور کے دو اور مشہور شعرا اعشیٰ بکر بن وائل اور ابوعزہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعتیہ قصیدے لکھے تھے مگر چونکہ اعشیٰ نے رشوت لیکر اسلام قبول نہیں کیا تھا اور ابوعزہ نے بھی لالچ میں آکر عہد شکنی کی تھی اس لئے ان دونوں کا شمار صحابہ کرام میں نہیں کیا جاسکتا۔

و أجمل منک لم ترقط عینی　　　و أحسن منک لم تلد النساء

عربی کا یہ شعر حضرت حسان بن ثابت سے منسوب ہے۔

(ترجمہ) آپ سے زیادہ دلربا شخصیت پر میری نگاہ نہیں پڑی۔ آپ سے زیادہ حسین وجود کو کسی عورت نے جنم نہیں دیا۔

جاں بداں روئے گرامی چہ کنم گر نہ دہم
مادر دہر نہ دارد پسرے بہتر ازیں　　　(حافظ شیرازی)

اُردو میں نعتیہ شاعری کے سات سو سال

حرف جستجو (ب تا ح)

انتخاب اور تذکرۂ شعراء (۱ تا ۱۱۲)

مطالعے سے پہلے (۱۱۳ تا ۱۲۰)

حمایت علی شاعر

شعبۂ اردو ۔ سندھ یونیورسٹی

نوٹ ۔ میں نے جو تفصیلات مطالعے کے بعد لکھی ہیں، چاہتا ہوں کہ آپ انہیں "مطالعے سے پہلے" پڑھ لیں۔

مزید ۔ (صفحہ ۱۱۹ پر سطر نمبر ۲۰) حسن سجزی پڑھئیے۔ (ح ۔ ع ۔ ش)

حرف جستجو

تاریخ ہمیشہ تحقیق طلب ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پیش منظر میں جو کچھ ہوتا ہے، پس منظر میں اکثر نہیں ہوتا۔ پیش و پس کا یہ تضاد، حقیقت کی جستجو کرنے والوں کو عموماً پس و پیش میں مبتلا رکھتا ہے۔ وہ کبھی اپنی آنکھوں کی گرد صاف کرتے ہیں اور کبھی وقت کی ـــ لیکن وقت کی گرد ایسی نہیں ہوتی کہ پلکوں سے صاف ہو جائے۔

اس لئے تاریخ کا مطالعہ بین السطور میں کیا جاتا ہے۔ لفظ کا پردہ اٹھا کر معنی کے خط و خال دیکھے اور پرکھے جاتے ہیں۔

اس آئینے میں جب ہم عہد بہ عہد اپنے ماضی کے خطوط دیکھتے ہیں تو ہر خط اپنے مخصوص دور کی کوئی نہ کوئی شکل بناتا نظر آتا ہے۔ یہ شکلیں نقطوں اور زاویوں میں بٹی ہوئی ہوتی ہیں اور انہیں سے اس عہد کا گراف بنتا ہے۔

نعتیہ شاعری بھی اپنے اپنے عہد کے مذہبی گراف کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس گراف کے محرکات میں جہاں کسی قوم اور کسی ملک کی جغرافیائی خصوصیات شامل ہوتی ہیں وہیں تاریخ کی گود میں پرورش پانے والی تہذیبی اقدار بھی اپنا جلوہ دکھاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس مخصوص دور کی وہ سیاسی حکمت عملی بھی جو "رموز مملکت خویش خسرواں دانند" کے پردے میں کارفرما ہوتی ہے۔

ہمارے عمومی عقائد میں عجمی طرز فکر کا نفوذ ہو یا ہندوستانی صنمیت کے اثرات ـــ بنیادی رمز یہی ہے کہ ہمارا معاشرہ تاریخ کے بہاؤ میں اپنی بدلتی ہوئی اقدار کو مقامی روایات سے بالکلیہ جدا نہیں کر سکا (اور شاید یہ ممکن بھی نہیں)۔ ظاہر ہے کہ شاعری جو معاشرے کی کوکھ سے جنم لیتی ہے، کس طرح اس خون سے بے رشتہ ہوسکتی ہے جو صدیوں سے اس کی رگوں میں گردش کر رہا ہے۔

شاعری تو حسن تخیل کا وہ طلسم ہے جو اکثر اپنے عہد کے تنقیدی شعور کو بھی کچھ دیر کے لئے مبہوت کر دیتی ہے اور حواس کی بیداری کے باوجود روح میں در آتی

ہے۔ اور جب صورتحال یہ ہو کہ دینی مکتبہ ہائے فکر بھی اپنے ذیلی تضادات میں الجھے ہوئے ہوں ـــ شاعری میں ان کا جگہ نہ پانا، ایک غیر فطری عمل ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ اکثر نعت گو شعرا اپنے عقیدے کے بنیادی مثلث (triangle) پر ایمان رکھنے کے باوجود ارتفاع اور عمق کی تلاش میں کہیں زاویۂ قائمہ کو حادہ اور کہیں حادہ کو منفرجہ بنادینے کے مرتکب نظر آتے ہیں۔ یہ ارتکاب لاکھ جذباتی سہی مگر توجہ طلب ضرور ہے۔

توجہ طلب یوں کہ اسلام میں خدا، قرآن اور رسول کا مثلث (triangle) جن حدود کا تعین کرتا ہے وہ اصولِ فطرت کے عین مطابق ہے۔ فطرت اسی معنی میں مسلمان ہے کہ ہمیشہ اپنی حد میں رہتی ہے اور اپنے حدود میں رہ کر لامحدود کے امکانات کا سراغ دیتی ہے۔

میں نے اردو کی سات سو سالہ نعتیہ شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات شدت کے ساتھ محسوس کی کہ تخیل کی بلند پروازی اکثر مقامات پر حد سے متجاوز ہوگئی ہے۔ مجھ پر چونکہ اسکے محرکات بھی روشن تھے اس لئے حیرت تو نہیں ہوئی البتہ عرفی کا یہ شعر بہت یاد آتا رہا :

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحراست
آہستہ کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را

اس گفتگو سے میرا یہ مقصد نہیں کہ جو سوالات میرے ذہن میں ابھرتے ہیں آن سے آپ بھی اتفاق کریں۔ ہر شخص کا اپنا زاویۂ نگاہ ہوتا ہے جو اپنے عہد کی آگہی کے آئینے میں دیکھا اور پرکھا جاتا ہے۔

میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ ہر عمارت ایک بنیاد پر اٹھائی جاتی ہے اس لئے بنیاد سے ہٹ کر جو بھی تعمیر ہوگی وہ دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کردے گی۔ بنیاد روح کو یقین عطا کرتی ہے اور یقین ایمان کا حرفِ اول ہے۔

میرے پیش نظر یہ حدیث بھی ہے کہ :

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار

(جس نے میرے متعلق قصداً جھوٹ بات کہی تو وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے)

اس کے علاوہ سب سے اہم نکتہ جو قرآن حکیم کے مطالعے سے نمایاں ہوتا ہے وہ شخصیت کی عظمت میں "عبدیت" کا تعین اور اسکی اہمیت پر اصرار ہے۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام
الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا۔

(وہ پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے "بندے" کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کو گھیر رکھا ہماری برکت نے تاکہ دکھلائیں اسکو کچھ اپنی قدرت کے نمونے)

یہ "عبدیت" کا نقطۂ عروج ہے جو "معراج" کی معرفت "انسان" کو خدا کے قرب کی عظمت نصیب کرتا ہے۔

یہی عظمت ہمیں "بشریت" پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ علامہ اقبال نے اس نکتے پر مروجہ مذہبی عقائد کے بجائے سائنسی انداز میں سوچا ہے:

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

اور اس مقام ارتفاع کا ادراک حاصل کرکے یہ فیصلہ دیا کہ

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

ان کے نزدیک "عبدیت" بشریت کی اکملیت کا استعارہ ہے۔ وہ مقام بندگی میں بھی وہی عظمت محسوس کرتے ہیں جو شان خداوندی میں ہے۔ اس طرح وہ دونوں کی فردیت کو متعین کرتے ہوئے اپنے اپنے مقام پر محفوظ رکھتے ہیں اور کسی اکائی کو دوسری اکائی میں ضم نہیں ہونے دیتے۔

اکائیوں کے انضمام کا تصور بنیادی طور پر اسلامی نہیں ہے، یہ نو فلاطونیت کے زیر اثر وحدت الوجود کے واسطے سے اسلامی فکر کا حصہ بنا اور ہندوستان میں ویدانت سے مصالحت کی راہ ہموار کی۔ بہرحال اسلامی فکر کی نئی تشکیل میں عہد بہ عہد جو بھی عوامل کارفرما رہے ہوں حاصل کلام یہ ہے کہ ہندوستانی مسلم معاشرے میں ذیلی اور روائتی عقائد کا پھیلاؤ ہوتا گیا اور "وہی آخر کو ٹھہرا فن ہمارا" کے مصداق نعتیہ شاعری میں بھی انہیں خیالات کا ظہور ہوا اور شاعری کے بادشاہی کے زیر اثر پروان چڑھنے کے سبب نعتیہ انداز سخن میں بھی قصیدہ نگاری کی بدعتیں پیدا ہو گئیں اور رفتہ رفتہ اسلامی فکر کا وہ مجتہدانہ عنصر پس منظر میں چلا گیا جسے پیش منظر میں قدر اول کی حیثیت حاصل تھی۔

علامہ اقبال نے اسی حقیقت کے پیش نظر اکائیوں کے انضمام سے گریز کیا اور فردیت کی بقا کے لئے "خودی" کی بنیاد فراہم کی۔ لیکن ان کے ہاں خودی کا تصور جامد نہیں

بلکہ متحرک اور ارتقاء پذیر ہے۔ اس میں یہ ارتقائی عمل دوسری اکائی میں ضم ہونے کے لئے نہیں بلکہ اپنی تکمیل کے لئے جاری رہتا ہے۔ اس طرح قرآن حکیم نے "تسخیر کائنات" کا جو فرض انسان کو سونپا ہے اس کی بجا آوری کے لئے وہ مسلسل آگے بڑھتا ہے اور "عبدیت" کے منصب پر فائز رہ کر حیات و کائنات کے اسرار دریافت کرتا رہتا ہے۔ خدا سے قریب تر ہونے کی کوشش اسے نگاہِ قدرت میں باوقار اور محبت کے قابل بناتی ہے اور وہ خدا کا "محبوب بندہ" ہو جاتا ہے یہاں تک کہ

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

عالم انسانیت میں یہ افضل و برتر مقام صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو حاصل ہے اور ہمارے لئے رہنمائی کے چراغ انہیں کے نقشِ کفِ پا ہیں۔

وہ علم اول جو حضرت آدم کی معرفت خدا نے انسان اور صرف انسان کو عطا کیا ہے غور کیا جائے تو "آمنی تا اقراء" اسی علم۔ اول کے استعارے کی بازگشت ہے اور آنحضرت کا سینۂ اقدس (جس میں قرآن اتارا گیا) اسی علم کا شہر ہے جو دونوں عالم کے لئے رحمت بنا کر ہمارے درمیان آباد کیا گیا تاکہ ہمارے دل و دماغ پر آگہی کے دروازے کھول دیئے جائیں اور ہم عہد بہ عہد اپنی مجتہدانہ فکر اور مجتہدانہ عمل سے (جسے میں سائنسی علوم سے تعبیر کرتا ہوں) بشریت کے اس مقام تک پہنچنے کی کوشش کریں جو "عبدیت" کا منتہا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فکر و عمل سے یہ نکتہ ہم اسی وقت اخذ کر سکتے ہیں جب ہمیں ان کی شخصیت کی عظمت کا معنوی ادراک حاصل ہو۔

ہمارے بیشتر نعت گو شعرا میں اسی ادراک کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ جو کچھ کہا گیا ہے — اپنی تمام تر محبت اور عقیدت کے باوجود عموماً رسمی اور سطحی سا ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ خود غرضانہ اور جامد فردیت یعنی نفسی نفسی کا شکار ہے تو شاید غلط نہ ہوگا۔

ہمارے عہد کی خوش نصیبی ہے کہ اقبال جیسا شاعر ہمیں نصیب ہوا جس نے مذہبی عقائد پر بھی ہمیں سائنسی انداز میں سوچنے کا حوصلہ دیا اور ایسی نعتیہ فکر عطا کی جو شخصیت کے معنوی ادراک کا در باز کرتی ہے اور ہمارے شعور پر رسول اکرم کی عظمت کے نئے افق روشن کرتی ہے:-

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

میرا موضوع چونکہ نعتیہ شاعری کا عہد بہ عہد محاکمہ نہیں تھا اس لئے میں نے بلاتبصرہ صرف نعتوں کا انتخاب کردیا ہے اور صفحات کی کمی کی وجہ سے محدود اور ایک لحاظ سے محتاط ــــ چنانچہ صرف مرحوم شعرا کو منتخب کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ سنہ ۱۹۷۸ء تک نمائندگی ہو جائے۔

شعرا کی ترتیب بھی بہ اعتبار وفات قائم کی ہے۔

نعتیہ شاعری کے ایسے انتخاب گذشتہ دنوں اور بھی شایع ہوئے ہیں لیکن کسی میں شعرا کے بارے میں نہیں لکھا گیا۔ میں نے طالب علموں کی ضرورت کے تحت شعرا کا تذکرہ بھی مختصراً کر دیا ہے۔ رسالے کی اشاعت میں عجلت اور اختصار کا تقاضہ اس بات کا متحمل نہیں تھا کہ یہ تذکرہ تحقیقی انداز میں لکھا جاتا اسی لئے جو کتابیں سامنے آئیں انھیں میں سے کچھ باتیں چن لیں لیکن موضوع کی اہمیت مستقل یہ احساس دلاتی رہی کہ

کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیان کے لئے

چنانچہ انتخاب کے پریس چلے جانے کے بعد بھی مطالعے کا سلسلہ جاری رہا اور بعض ایسے تذکرے، نسخے اور کتابیں سامنے آئیں جن سے حوالوں کے متضاد ہونے کا احساس ہوا۔ ایک دن رفیق محترم ڈاکٹر نجم الاسلام سے اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو تحقیق کے کچھ اور پہلو بھی نمایاں ہوئے ـــ بہرحال مختلف محققین کی کتابیں پھر زیر مطالعہ آئیں، تازہ تحقیقی مقالے پڑھے، کراچی میں حضرت افسر امروہوی اور دیگر بزرگوں سے استفادہ کیا اور تقابل کے بعد تصحیحات لکھنا شروع کردیں۔ کہیں اضافے کئے اور کہیں وضاحتوں سے کام لیا۔ نظرثانی میں ان جملوں کو بھی مربوط کیا جن میں بوجوہ کچھ خلا پیدا ہوگیا تھا۔ ضمناً ان اغلاط کی طرف بھی اشارے کر دیئے جو مختلف ماٰخذوں میں نظر آئے۔ ان سوالات کا بھی اظہار کردیا جو دوران مطالعہ ذہن کے کسی گوشے میں ابھرے ـــ اس طرح "مطالعے سے پہلے" کے عنوان سے کچھ صفحات لکھ کر انتخاب کے آخر میں شامل کردیئے۔ (۱۱۳ تا ۱۲۰)

غلطی چونکہ انسانی تحریر کا مقدر ہے اس لئے میں ان اسباب پر تبصرہ نہیں کروں گا جو مختلف کتب کے متضاد مواد یا موجودہ انتخاب میں تصحیحات کا باعث بنے ہیں، مختصراً صرف اتنا عرض کروں گا کہ تاریخ ہمیشہ تحقیق طلب ہوتی ہے ......

سید محمد حسینی — خواجہ بندہ نواز گیسو دراز

(۷۲۱ھ — ۸۲۵ھ)

نام - سید محمد حسینی

لقب - صدرالدین

عرفیت - بندہ نواز گیسو دراز

آپ کے والد سید یوسف حسینی محمد تغلق کے زمانے میں دھلی سے دولت آباد آئے - اسوقت خواجہ صاحب کی عمر ۷ سال تھی - والد اور نانا کی وساطت سے آپ کو بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمہ سے ایک روحانی تعلق پیدا ھوگیا تھا - آپ شیخ الاسلام شیخ نصیرالدین چراغ دھلوی کے مرید تھے اور پھر ان کے جانشین بھی ھوئے -

سنہ ۸۰۱ھ میں جب دھلی پر امیر تیمور نے حملہ کیا تو آپ دکن چلے آئے اور گلبرگہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی - سو سے زیادہ کتابیں لکھیں جو عربی اور فارسی میں ھیں - ایک کتاب "معراج العاشقین" دکنی زبان میں ھے جسے اردو کی پہلی نثری کتاب کہا جاتا ھے - کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے -

(اردو کی پہلی نعت)

اۓ محمّد حجلو جم جم جلوہ تیرا
ذات تجلی ھوۓ گی میں سپورن سہرا

واحد آپیں آپ تھا، آپیں آپ نجھایا
پرگٹ جلوہ کارنے الف میم ھـو آیا
عشقوں جلوہ دینے کر کاف نون بسایا

لولاک لما، خلقت الافلاک خالق پالاۓ
فاضل افضل جتے مرسل ساجد سجود آۓ
امت رحمت بخشش ھدایت تشریف پاۓ

مخفی ناؤں معشوق رکھ، ظاھر شہباز کلاۓ
عشق کے جتیی چندر بن اپنی آپ دکھاۓ
الان کما کان پھر آپسیں آپ سماۓ

حجلو = حجلہ - سپورن = لبریز، پورا چاند - نجھایا = غور کیا - پرگٹ = ظاھر، پیدا - تشریف = انعام، خلعت - ناؤں = نام - کلاۓ = کہلاۓ - جتی = جتنی -
الان کما کان = اسوقت جیسا کہ ھے -

فخردین نظامی

(اردو کی پہلی مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" سے انتخاب)

تھیں ایک ساچا گسائیں امر
سرے دوئے تیں جگ توڑ آد کر

پتھایا امولک رتن نور دھر
کہ تے ویل بلگت کرن راج کر

امولک مکٹ سیس سنسار کا
کرے کام نردھار کرتار کا

محمّد جرم آد بنیاد نور
دوئے جگ سرے دے پرساد نور

نہ اکاس دھرتی نہ دنبو نہ چند
نہ بھریا کچھوا دیتا نور سند

مشالا اسی کا جو دیسے گھیر
جلے جگ اس تھیں اسے دیہہ دھیر

فخردین نظامی— سلطان احمدشاہ بہمنی کے زمانے میں بیدر میں تھے۔ فارسی داں تھے۔ ان کی زندگی کے حالات کسی تذکرے میں نہیں ملتے۔

ان کی تصنیف "مثنوی کدم راؤ پدم راؤ" کو اردو کی پہلی مثنوی کہا جاتا ہے۔ اس مثنوی کے تمام عنوانات فارسی میں ہیں۔ نظامی نے مثنوی کے اکثر اشعار میں اپنا نام اور تخلص دونوں استعمال کئے ہیں۔ مولوی عبدالحق اور نصیرالدین ہاشمی کا خیال ہے کہ یہ مثنوی ۸۶۵ھ اور ۸۶۷ھ کے درمیان لکھی گئی۔ افسر امروہی ۸۲۵ھ تا ۸۳۸ھ بتاتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے، جنھوں نے اس مثنوی کو ایڈٹ کیا، اس کا زمانہ تصنیف سنہ ۸۲۵ھ تا ۸۳۹ھ لکھا ہے۔ نظامی کی زبان پر مرٹھی، پنجابی، گجراتی، سرائیکی اور سندھی اثرات نمایاں ہیں۔

تھیں = توھی۔ گسائیں = صاحب۔ سرے = سزاوار۔ دوئے = دو۔ تیں = تو۔ آد = اول۔ پتھایا = بخشا۔ امولک = قیمتی۔ تے = پر۔ ویل = وقت۔ مکٹ = تاج۔ سیس = سر۔ نردھار = بے سہارا۔ جرم = ھمیشہ۔ پرساد = فیض و برکت۔ دنبو = سورج۔ چند = چاند۔ مشالا = مشعل۔ دیسے = دکھائی دے۔ تھیں = سے۔ دیہہ = دیتا ہے۔

خوب محمد گجراتی

(وفات - ۱۰۲۳ ھ)

("خوب ترنگ" سے انتخاب)

جو سا آرسی وحدت جان
جسم محمّد اسے پچھان

ایک عکس اُس ماں جو ہوئے
قلب محمّد کا ہے سوئے

ایک عکس پھر عکس جو پائے
بھی ابو الارواح کلمھائے

مثل محمّد ہوئے نہ کوئے
سب اُس کی تفصیل سو ہوئے

ذات سو ذاتوں ماں نہ تمام
جسم محمّد عین اجسام

شیخ خوب محمد چشتی، گجرات کے رہنے والے تھے - آپ شیخ کمال الدین محمد سیستانی خلیفہ وجیہہ الدین گجراتی کے خلیفہ تھے .

خوب محمد گجراتی کے حالات تفصیل کے ساتھ تو نہیں ملتے- صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی تصنیف "خوب ترنگ" سنہ ۹۸۶ ھ میں لکھی تھی- فارسی میں دو کتابیں ہیں "شرح جام" اور "جہاں نما"-

"خوب ترنگ" کا انداز بیان سادہ ہے اور حکائتوں کے پیرائے میں تصوف کے مسائل سمجھائے گئے ہیں -

---

پچھان = پہچان - کلمھائے = کہلائے - ماں = میں -

مُلّا وجہی

(۱۰۰۱ھ – ۱۱۰۰ھ)

(مثنوی "قطب مشتری" سے انتخاب)

محمّد نبیؐ ناؤں تیرا اَھے
عرش کے اُپر ٹھاؤں تیرا اَھے

کہ چودہ ملک کا تو سلطان ہے
علی سا ترے گھر میں پردھان ہے

اسی ھور یک لاکھ پیغمبر آئے
ولے مرتبہ کوئی تیرا نہ پائے

صفت کر توں معراج کی رات کا
کہ جاگیا اَھے بخت تج بات کا

اتھا اس زمیں کو عجب کوچ نور
کہ لاکھاں تھے چانداں، کروراں تھے سور

ملا وجہی قطب شاہی دور کا باکمال شاعر اور نثرنگار تھا۔ اس کا ایک فارسی دیوان بھی موجود ہے۔ نثر میں "سب رس" اور نظم میں "مثنوی قطب مشتری" اس کے کمالِ فن کی زندہ مثالیں ہیں۔ اسے اپنی نظم و نثر دونوں پر ناز تھا۔
"سب رس" وجہی کی طبع زاد تصنیف نہیں ہے۔ یہ فتاحی کی فارسی کتاب "حسن و دل" کا ترجمہ ہے۔ فتاحی نے اسے پہلے "دستور عشاق" کے نام سے منظوم بھی لکھا تھا۔ وجہی کے ترجمے کی عبارت نہ صرف مقفع و مسجع ہے بلکہ اس نے اصل میں تصرف بھی کیا ہے۔
وجہی نے ابراهیم قطب شاہ، قلی قطب شاہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کا زمانہ دیکھا اور تقریباً سو سال کی عمر میں وفات پائی۔

اَھے = ہے۔ ھور = اور۔ تج = تجھ۔ اتھا = تھا۔ کوچ = کچھ۔ سور = سورج۔

محمد قلی قطب شاہ

(سنہ ۹۷۳ھ - ۱۰۲۰ھ)

دیا بندہ کوں حق نبی کا خطاب
حکم دے دیا نـور جوں ماھتاب

نبی نانوے کر کسی تھے نہ ڈر
توں رسڑی نمن دے دندیاں کوں سوتاب

حقیقی پـیـاسوں مـجـازی ستیں
جو نسبت کرے گا تو ھاوے عقاب

نہ بھاوے منجیے پیو بن ہور کچھ
میں تیری چیری منجیے آپ راب

نہیں پیم میں کوئی شہنشہ مثال
صحی مانے یہ بات کو شیخ و شاب

بھرے پیم میدان میں وو شہسوار
سہیلیاں سبھی چو میں اُس کا رکاب

نبی صدقے ھے ترکمان داس امام
ھو دونوں جگت تب سوال و جواب

محمد قلی قطب شاہ اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر ھے۔ اُسے تلگو، فارسی اور اردو پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ ھر صنف سخن میں طبع آزمائی کی۔ انداز بیان میں ایسی حلاوت تھی کہ آج تک اس کی مٹھاس کم نہ ھو سکی۔ اس کی مشہور غزل

پیا باج پیالہ پیا جائے نا

آج تک زبان زد خاص و عام ھے۔ اُس کا کلیات پچاس ہزار ابیات پر مشتمل ھے۔

قلی قطب شاہ اکبر اعظم کا ھم عصر تھا۔ اسوقت اردو زبان پر پراکرت اور سنسکرت کے اثرات تھے مگر اسکے اشعار کہیں اتنے صاف ھیں کہ موجودہ دور کی زبان کا گمان ھوتا ھے۔ مثلاً

محمد شہ ھے اس زمانے کا شاعر

جوں = مثل۔ نانوے = نام۔ توں = تو۔ رسڑی = رسی۔ نمن دے = کی طرح۔ دندیاں کوں = دشمنوں کو۔ ستیں = کے ساتھ۔ پیو بن = پیا کے بغیر۔ ہور = اور۔ کچھ = کچھ۔ چیری = غلام۔ منجیے آپ راب = مجھ سے خود کام لے۔ پیم = محبت۔ صحی = صحیح۔ وو = وہ۔ داس = غلام۔

عبداللہ قطب شاہ

(١٠٢٣ھ — ١٠٨٣ھ)

لکھ فیض سوں بھر آیا، دن دین محمدؐ کا
آفاق صفا پایا، دن دین محمدؐ کا

یوں عید ہمن ساجے، نصرت کے بجے باجے
ہے جگ کے نبی راجے دن، دین محمدؐ کا

گلشن میں شریعت کے، پھل کھیلے طریقت کے
پرمل سو حقیقت کے، دن دین محمدؐ کا

روشن ہوئے اسماناں، جھمکائے رتن کھاناں
خط لیوے مسلماناں، دن دین محمدؐ کا

جو بارہ اماماں ہیں، لاکھ ان پو سلاماں ہیں
ہم ان کے غلاماں ہیں، دن دین محمدؐ کا

عبداللہ قطب شاہ سلاطین قطب شاہی کے چھٹے بادشاہ تھے۔ دربار عالموں سے بھرا رہتا تھا۔ فارسی اور اردو — دونوں زبانوں میں دیوان موجود ہیں۔ بحریں بہت مترنم چنتے تھے اور الفاظ کے انتخاب میں بھی نغمگی ملحوظ رکھتے تھے۔

ان کے عہد میں شمس الدین محمد المعروف علامہ ابن خاتون دربار سے وابستہ تھے جو ایران کے عالم شیخ بہاءالدین آملی کے شاگرد تھے۔ "کتاب الارشاد" اور "جامع عباسی" کے حواشی انہیں کے لکھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ "اربعین" کا ترجمہ بھی کیا۔

عبداللہ قطب شاہ کا داماد سید نظام الدین بھی ریاضی، فلسفہ اور حکمت کا بڑا ماہر تھا۔ اس کے رسالوں کی تعداد ١٦٠ بتائی جاتی ہے، جو "شجرۂ دانش" کے نام سے موسوم ہے۔

کھیلے = کھلے۔ پرمل = خوشبو۔ سو = سے۔ کھاناں = ذخیرہ۔ پو = پر

نصرتی

(وفات - سنہ ۱۰۸۵ھ)

(رزمیہ مثنوی "علی نامہ" سے انتخاب)

تمہیں اے شہنشاہِ دنیا و دیں
شجاعت کی ہے صف کا کرسی نشیں

شرف کوں دلیری کی تج سینہ صدر
دیاہت پکڑ تیغ کوں تونچ قدر

ترے کاج جس حق نے پیدا کیا
غزا کا شرف توں ہوٗیدا کیا

ترا دبدبہ من کے خوش دھات کا
زمیں پر نہ ٹھارے قدم لات کا

ملک الشعرا نصرتی کا صحیح نام شیخ محمد نصرت تھا۔ وطن بیجاپور، والد سپاہی اور فرزند شاعر ــ تعلیم و تربیت شاہی محل میں ہوئی، ولی عہد سلطنت علی عادل شاہ کا ہمجولی تھا۔ عربی و فارسی پر عبور تھا۔ تبحر علمی اور مذہبی مسائل پر وسیع معلومات کا سبھی نے اعتراف کیا ہے۔ قصیدہ، مثنوی اور قطعات کے علاوہ غزلوں کا بھی سراغ ملتا ہے۔ کئی کتابیں لکھی ہیں: مثنوی گلشن عشق، رزمیہ مثنوی علی نامہ، تاریخ سکندری (منظوم) وغیرہ۔

آخر عمر میں مفلسی، ناداری اور اولاد کا دکھ بھی اٹھایا ہے، اکثر اشعار میں اس دکھ کی طرف اشارے ملتے ہیں۔

کوں = کو۔ تونچ = توھی۔ ٹھارے = ٹھہرے۔ لات = لات وھبل۔

سید میراں ہاشمی

(" معراج نامہ " سے انتخاب)

نبیاں میں جسے سب نے افضل کیا
تو ہے اے محمدؐ رسولِ انبیاء

اول کر محمدؐ کوں پروردگار
بزاں سب خدائی کیا آشکار

ازل نور ذاتی کوں پیدا کیا
بزاں سب ہو عالم ہویدا کیا

دیکھو کیا ہے قدرت خدا کی نول
تو دادے تے کریو ترے کوں اول

نبیاں کا تو دادا ہے آدم صفی
کہ روحاں کا دادا ہے خاتم نبی

سید میراں ہاشمی۔ سلطان علی عادل شاہ ثانی کے دربار کا محبوب شاعر تھا۔ پیدائشی نابینا لیکن بہت خوش مزاج تھا۔ " ریختی " جسے آگے چل کر انشا، جرات، رنگین اور جان صاحب نے بطور خاص اپنایا، سید میراں ہاشمی کی ایجاد ہے۔ اسی کی بدولت حرم شاہی میں بھی اسکی رسائی ہوئی۔

کتابوں میں ترجمہ احسن القصص یعنی یوسف زلیخا، مثنوی پندونصائح اور دیوان ہاشمی قابل ذکر ہیں۔ ہاشمی کی ولادت اور وفات کی تاریخ پر بہت اختلاف ہے۔ مولف گل رعنا نے تاریخ وفات سنہ ۱۰۹۰ھ اور مولف تاریخ شعرائے دکن نے سنہ ۱۱۹۰ھ لکھی ہے اور ایک تذکرے میں سنہ ۱۱۰۹ھ درج ہے۔

بزاں = بعد ازاں۔ ہو = ہر۔ نول = عجیب، بے مثل، خوب۔ صفی = صاف، پاک۔

ولی گجراتی

(١٠٦٠ھ - ١١١٩ھ)

عشق میں لازم ہے اول ذات کوں فانی کرے
ہو فنا فی اللہ، دائم یاد یزدانی کرے

یا محمد دو جہاں کی عید ہے تجھ ذات سوں
خلق کوں لازم ہے جی کوں تجھ پہ قربانی کرے

جس مکاں میں ہے تمہاری فکر روشن جلوہ گر
عقل اول آ کے واں، اقرار نادانی کرے

کیا ملک کیا انس و جن، یہ جگ میں ہے کس کو سکت
خط بنا تجھ مکھ کے جو تفسیر قرآنی کرے

عارفاں بولیں گے جان و دل سے لاکھوں آفریں
جب ولی تیری مدح میں گوہر افشانی کرے

ولی کے نام کے بارے میں محققین کو ابتدا میں بڑی غلط فہمیاں ھوئیں۔ کہیں ولی اللہ لکھا ھے اور کہیں ولی محمد۔ بلوم ہارٹ نے تو یہ دونوں نام ایک ھی شخصیت کے سمجھے حالانکہ یہ دو مختلف شعرا کے نام ھیں۔ ایک ولی مدراس کے شہر ویلور کا رہنے والا تھا جو "روضۃ الشہدا" کا مصنف ھے۔ اور دوسرا ولی وہ ھے جسے پہلے ولی اورنگ آبادی لکھا جاتا تھا، اب قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی کی تحقیق کی روشنی میں ولی گجراتی لکھا جانے لگا ھے۔ ویسے ولی کی شاعری نے اورنگ آباد ھی میں فروغ پایا۔

ولی کے سنہ پیدائش پر بھی اختلاف ھے۔ "اردو شہ پارے" کے مولف نے سنہ ١٠٩٣ھ لکھا ھے لیکن ایک خاندانی وراثت کی سند میں سنہ ١٠٦٠ھ دریافت ھوا ھے۔ ولی کا دیوان گارساں دتاسی نے سنہ ١٨٣٤ء میں پیرس سے شائع کیا۔ ڈاکٹر گرھیم نے ولی کے کلام کو دو حصوں میں تقسیم کیا ھے۔ ایک وہ جس میں دکنیت نمایاں ھے، دوسرا سفر دھلی کے بعد کا کلام جس میں شمالی ھند کے اثرات نمایاں ھیں۔

شیخ محمود بحری

(وفات ۱۱۳۰ھ)

محمدؐ گر مدد ہوگا ہمارا
سکل دکھ، درد رد ہوگا ہمارا

اگر صحرا رہو مل دام ہو دو
او سارا دام رد ہوگا ہمارا

اگر عالم سکل آگا عدو ہو
ھواللہ الصمد، ہوگا ہمارا

کرم اسکا دس آگا کم ہو ہرگاہ
اگر کولا اسد ہوگا ہمارا

موحد کا معما کھول محمود
اور احمدؐ گر احد ہوگا ہمارا

شیخ محمود بحری، مدراس کے علاقے گوگی کے رہنے والے تھے۔ سنہ ۱۰۹۵ھ میں بیجاپور پہنچے مگر مغلوں کے محاصرے کے بعد حیدرآباد چلے گئے۔ مغلوں نے جب حیدرآباد پر بھی حملہ کردیا تو مصائب میں گھر گئے، اس افراتفری میں ان کا سرمایہ شاعری بھی ضایع ہوگیا۔

بحری جب سکندر عادل شاہ کے دربار سے وابستہ تھے، مولانا سید احمد سجادۂ وقت کی فرمائش پر مشہور مثنوی "من لگن" لکھی۔ انہوں نے عادل شاہی اور قطب شاہی دونوں ادوار کا خاتمہ بھی دیکھا۔ "داخل، مجلس رسول اللہ" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ بحری نے کئی مثنویاں دکنی اور فارسی میں لکھیں۔ بقول ان کے، "پچاس ہزار شعر کہے مگراب صرف ایک ہزار محفوظ ہیں"۔

سکل = کل، سب۔ آگا = آگے۔ کولا = گیدڑ۔

سید محمد فراقی

(وفات ۱۱۴۴ھ)

مدینے میں اگر پیدا ہوا ہوتا تو کیا ہوتا
محمدؐ کی گلی بھیتر فنا ہوتا تو کیا ہوتا

عبث خوباں کی گلیوں میں نہ کرتوں عمر صرف اے دل
مدینے کی زیارت کو گیا ہوتا تو کیا ہوتا

ارے مجنوں ہوا بدنام توں لیلیٰ کو دل دیکر
اگر میرے نبی کوں دل دیا ہوتا تو کیا ہوتا

ازل کی دین میں یا رب اگر مفلس بھکاری ہوں
نبی کے آستانے کا گدا ہوتا تو کیا ہوتا

نظر ہے علم منطق ہور معانی میں فراقی کوں
اگر علمِ حدیثِ مصطفیٰ ہوتا تو کیا ہوتا

سید محمد فراقی، ولی کے ہمعصر تھے۔ میر حسن اور قائم چاندپوری نے اپنے تذکروں میں ان کے حالات سے لاعلمی ظاہر کی ہے۔ میر حسن نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ "فراقی تخلص، از مردم دکن بود، همراه فقیراللہ آزاد بہ ہندآمدہ بود۔" فراقی کے زمانے تک زبان اتنی سادہ ہوگئی تھی کہ بعض اشعار آج کے اشعار محسوس ہوتے ہیں۔

محمد فاضل الدین — فاضل بٹالوی

(وفات ۱۱۵۱ھ)

ناھین مرا مچھٹ تم کوئی اُنظُر بحالی یا نبی
ھے رین دن غفلت بڑی، انظر بحالی یا نبی

اِس فضل سوں راکھو مجھے، من عزل درجات الصفا
ھے مرگ بھی سر پر کھڑی، انظر بحالی یا نبی

میں ھوں خرابی میں پڑا، لطفل سوء الحق حیف حیف
اس غم سنی چھاتی سڑی، انظر بحالی یا نبی

"فاضل" پکارے رین دن، اشفع شفیع المذنبین
فریاد کرتا ھر گھڑی، انظر بحالی یا نبی

فاضل بٹالوی کے جد اعلیٰ کا نام شیخ ابوالحسن بغدادی تھا جو بدیع الدین شہید حسنی جیلانی کے نام سے مشہور ھیں۔ وہ سبیل سیاحت عراق سے ھندوستان آئے تھے لیکن یہیں بس گئے۔ فاضل بٹالوی شیخ محمدافضل لاھوری کے مرید تھے۔ عربی اور فارسی کی تعلیم میاں محمد غوث لاھوری سے حاصل کی۔

"تذکرۃ الاھرار" کے مطابق آپ نے چالیس کتابیں لکھی ھیں لیکن بدر محی الدین صاحب نے ایک سو سے زائد کتابوں کا حوالہ دیا ھے۔

پنجاب میں آپ کے ھم عصر شعرا میں شیخ عثمان، شیخ جنید، مولانا عبدی اور ناصرعلی سرھندی کے نام نمایاں ھیں۔

سراج اورنگ آبادی

(۱۱۲۷ھ - ۱۱۷۷ھ)

نام تیرا مطلع فہرست ہے دیوان کا
ہے زباں کا ورد خاصا اور وظیفہ جان کا

یا محمّد تجھ کرم میں ہوں سدا امیدوار
جلوۂ ایماں دے اور بھید کہہ انسان کا

کر سراسر شوق میں بے ہوش مجھ کو یا حبیب
دے مجھے بھر کر پیالہ نشۂ عرفان کا

تو احد ہے نام تیرا احمد بے میم ہے
زیب پایا تجھ صفت سے ہر ورق قرآن کا

اے سراج اپنی خودی کو بے خودی میں محو کر
شغل جاری رکھ ہر اک دم میں ہوالرحمٰن کا

سراج، صوفی منش آدمی تھے، جوانی میں مجذوبانہ کیفیت پیدا ہو گئی، ننگے پاؤں، ننگے سر مولانا برہان الدین غریب کے روضے کے چکر کاٹتے اور فارسی شعر پڑھتے۔ اگر یہ اشعار محفوظ رہتے تو ایک الگ دیوان مرتب ہو جاتا۔

جب حضرت عبدالرحمٰن چشتی کے مرید ہوئے تو اردو میں شعر کہنے لگے۔ اردو دیوان پانچ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ سراج نے منتخب فارسی شعرا کا کلام "منتخب دیوان ہا" کے نام سے مرتب کیا ہے اور ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔ زبان کے اعتبار سے وہ اپنے عہد سے آگے نظر آتے ہیں۔

محبوب عالم عرف شیخ جیون

(گیارھویں صدی ھجری)

محمّد یاد، نا چوکوں، پڑا دین رین کر لاؤں
کھڑا فریاد ماں کوکوں، محمّد سا کہاں پاؤں

محمّد کہہ، محمّد کہہ، پکاروں میں سدا اللہ
پھروں گھر گھر یہی کہہ کہہ، محمّد ناؤں پہچاؤں

کروں ھا ھا محمّد بن، سہوں پھاھا پڑا نس دن
گئے سب چین، ھردم، میں، کسے دکھ، بات بتلاؤں

نہ سنگی ھے نکو ساتھی، پھٹی اِس درد ماں چھاتی
پھٹی تن کی سبھی ناٹی، محمّد باجھ، من پاؤں

عجب محبوب، عالم تھا، نہایت خوب عالم تھا
مرا نت پرت پالم تھا، رھا ھے بیٹھ کس ٹھاؤں

محبوب عالم گیارھویں صدی ھجری کے شاعر ھیں۔ جھجر (پنجاب) میں پیدا ھوئے۔ سید میراں بھیک چشتی صابری کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اسپرنگر نے ان کی جن کتابوں کا حوالا دیا ھے ان میں فقہ ھندی، محشرنامہ، وردنامہ، خوابنامہ پیغمبر اور دھیرنامہ بی بی فاطمہ خاتون مشہور ھیں۔ ان تصانیف پر اختلاف رائے بھی موجود ھے۔ اشعار میں عربی اور فارسی کے اکثر الفاظ کا تلفظ مقامی لہجے میں نظر آتا ھے۔

محبوب عالم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر حضرت عائشہ رضہ، حضرت فاطمہ رضہ اور بعض صحابہ کرام کی طرف سے مرثیے بھی لکھے ھیں جو غزل کی ھیئت میں ھیں لیکن شاعر نے انھیں "دوھڑا" کہا ھے۔ یہ نعتیہ مرثیہ حضرت عمر رضہ کی طرف سے کہا گیا ھے۔

کوکوں = چیخوں، نکو = نہ کوئی، ٹھاؤں = ٹھکانہ۔

مرزا محمد رفیع سودا

(۱۱۲۵ھ — ۱۱۹۵ھ)

دلا دریائے رحمت، قطرہ ہے آبِ محمّد کا
جو چاہے پاک ہو، پیرو ہو، اصحابِ محمّد کا

قدِ رعنا جب اپنا خم کیا، پھر نماز اُن نے
ہوا اسوقت ساجد کعبہ محرابِ محمّد کا

زمین و آسماں ہوں کیوں نہ روشن نور سے اسکے
کہ ہے اک پرتو خورشید، مہتاب محمّد کا

ادا کس کی زباں سے ہو سکے، شکر اُس کی نعمت کا
دو عالم ریزہ چینِ حق کیا، قابِ محمّد کا

ہوا ہے کیا کچھ اہلِ بیت پر، "سودا" نہ دم مارا
خدا بن کون ہے آگہ، آدابِ محمّد کا

سودا، شاہ حاتم کے شاگرد تھے مگر خانِ آرزو سے بھی عقیدت رکھتے تھے۔ سودا کا زمانہ مغل سلطنت کے زوال کا زمانہ ہے۔ دہلی میں حالات سازگار نہیں رہے تو فیض آباد گئے۔ شجاع الدولہ کے انتقال کے بعد جب آصف الدولہ نے لکھنؤ کو صدر مقام بنایا تو سودا بھی لکھنؤ چلے آئے اور تمام عمر وہیں رہے۔ سودا کو ہر صنفِ سخن پر قدرت حاصل تھی لیکن غزل، قصیدہ اور ہجو میں اُن کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ میر کے بعد وہ اپنے عہد کے سب سے بڑے شاعر تھے۔

میر حسن

(۱۱۴۰ھ — ۱۲۰۴ھ)

میر حسن، میر ضاحک کے بیٹے اور میر انیس کے دادا تھے۔ ۱۲ برس کی عمر میں دھلی سے فیض آباد آئے، اور لکھنؤ میں بس گئے۔ میر ضیاء کے شاگرد تھے۔ تصانیف میں "تذکرۂ شعرا"، ایک دیوان اور گیارہ مثنویاں شامل ھیں جن میں مثنوی سحرالبیان کو زیادہ مقبولیت حاصل ھوئی۔ حکمرانوں کی قصیدہ گوئی کے خلاف تھے۔ نعتیں اور منقبتیں خوب لکھی ھیں۔

"تذکرۂ شعرا" فارسی میں ھے، اس میں تقریباً تین سو شعرا کا ذکر ھے۔ میر حسن نے اسے تین حصوں میں تقسیم کیا ھے، فرخ سیر سے پہلے، بعد اور پھر ھم عصر شعرا — اس تذکرے کا سال تصنیف سنہ ۱۱۹۴ھ قرین قیاس ھے۔

نبی کون یعنی رسول کریم
نبوت کے دریا کا در یتیم

ھوا گو کہ ظاھر میں امی لقب
پہ علم لدنی کھلا دل پہ سب

بغیر از لکھے اور کئے بے رقم
چلے حکم پر اس کے لوح و قلم

کیا حق نے نبیوں کا سردار اسے
بنایا نبوت کا حق دار اسے

نبوت جو کی حق نے اس پر تمام
لکھا اشرف الناس خیرالانام

کہوں اس کے رتبے کا کیا میں بیاں
کھڑے ھیں جہاں باندھے صف مرسلاں

محمدؐ کے مانند جگ میں نہیں
ھوا ھے نہ ایسا نہ ھوگا کہیں

میر تقی میر

(۱۱۲۵ھ – ۱۲۲۵ھ)

جرم کی کھو شرمگینی یا رسول
اور خاطر کی حزینی یا رسول
کھینچوں ہوں نقصانِ دینی یا رسول
تیـــری رحمت ہے یقینی یا رسول
رحمت للعالمینی یا رسول
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

روؤں ہوں شرم و گنہہ سے زار زار
بے عنایت کچھ نہیں اسلوب کار
دل کو جب ہوتا ہے آ کر اضطرار
زیر لب کہتا ہوں یہ میں بار بار
رحمت للعالمینی یا رسول
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

جب تلک تاثیر کا تھا کچھ گماں
کہ قرآں خواں میر تھے کہ سبحہ خواں
وقت یکساں تو نہیں اے دوستاں
اب یہی ہے ہر زماں وردِ زباں
رحمت للعالمینی یا رسول
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

میر تقی میر کے والد کا نام میر عبداللہ تھا۔ ان کے انتقال کے بعد سراج الدین علی خان آرزو نے تربیت کی۔ درباروں سے بھی وابستہ رہے مگر بہت کم۔ طبیعت قصیدہ گوئی کی طرف مائل نہیں رہی۔ جو بھی قصیدہ لکھا اپنے آپ پر جبر کر کے لکھا۔ مثنویاں بھی لکھیں مگر غزل گوئی میں کمال حاصل کیا۔ ایک تذکرہ "نکات الشعرا" اور ایک آپ بیتی "ذکر میر" لکھی۔ میر واسوخت کے موجد تسلیم کئے جاتے ہیں۔ بحیثیت غزل گو وہ اپنے عہد کے سب سے بڑے شاعر تھے۔ اردو غزلوں کے چھ ضخیم دیوان ہیں اور ایک فارسی۔ "نکات الشعرا" بھی فارسی میں ہے، جس میں شعرا کا ذکر کیا گیا ہے۔

شیخ قلندر بخش جرأت

(وفات ۱۲۲۵ھ)

محمدؐ ہے نبی ممدوح ذات کبریائی کا
کہے بندہ اگر مدح اسکی، دعویٰ ہے خدائی کا

گروہِ انبیاء میں وہ ہی حق کا برگزیدہ ہے
سوا اس کے لقب کس کو ملا ہے مصطفائی کا

رکھے ہے منزلت یہ آستان سرور عالم
کہ فخرِ سلطنت ہے مرتبہ واں کی گدائی کا

اسی کے عشق میں پابندِ الفت رہ دلا ہردم
کہ ہوئےگا یہی روزِ جزا موجب رہائی کا

سراپا نور حق، نام خدا کہیے نہ کیوں اسکو
کہ جس کا نقش پا ہو جبہ سا ساری خدائی کا

دلیل اسکی ہے یکتائی کی یہ لاریب اے جرأت
کہ تھا سایہ نہ اس محبوبِ ذات کبریائی کا

شیخ قلندر بخش جرأت کا اصلی نام یحییٰ امان تھا۔ جعفرعلی حسرت کے شاگرد تھے۔ علم نجوم کے بھی ماہر تھے اور موسیقی بھی جانتے تھے۔ جوانی میں آنکھوں سے معذور ہوگئے۔ بہت زندہ دل اور خوش طبع تھے اس لئے درباروں میں بہت مقبول رہے۔ پہلے نواب محبت خاں کی ملازمت کی پھر مرزا سلیمان شکوہ کے دربار میں آ گئے۔ آخری عمر لکھنؤ میں گذاری جہاں انشا اللہ خاں انشاء سے خوب صحبتیں رہیں۔ غزل میں جس رنگ کے نمائندہ ہیں نعتوں میں اس سے قطعی مختلف نظر آتے ہیں۔

مرزا جان تپش

(وفات ۱۸۱۴ء کے بعد)

محمد وہ سر دفتر انبیا
کہ قرآن جس پر ہے نازل ہوا

سر مرسلیں، سرور جز و کل
شفیع امم، سرو باغ سبل

رسول معظم، حبیب اللہ
گناہ گاروں کا حشر میں داد خواہ

رسالت کی اس کو کتابت ملی
شرافت کی مہر نبوت ملی

خدا کا وہ مقبول و محبوب ہے
خدا طالب اس کا وہ مطلوب ہے

شریعت کی دکھلائی سیدھی وہ راہ
کہ بھٹکے نہ ہرگز کسی کی نگاہ

اگرچہ ہوا آخر اس کا ظہور
و لیکن مقدم ہے سب پر وہ نور

کہاں شان اس کی ہو مجھ سے بیاں
کہ لولاک جس شان میں ہے عیاں

مرزا جان تپش کا اصل نام مرزا محمد اسماعیل تھا۔ اجداد بخارا سے آئے تھے۔ سلسلہ نسب صوفی سید جلال الدین بخاری سے ملتا ہے۔ تپش دہلی میں پیدا ہوئے۔ عربی اور فارسی کے علاوہ سنسکرت بھی جانتے تھے۔ پہلے محمد یار جنگ سائل سے اصلاح لی پھر خواجہ میر درد سے۔ جہاندار شاہ کے دربار سے وابستہ تھے۔ پھر بنگال میں نواب شمس الدولہ کے مصاحب مقرر ہو گئے۔ ایک کتاب "شمس البیان فی مصطلحات" لکھی۔ کلکتے کے ایک کالج میں تدریس کے فرائض بھی انجام دیئے۔ ایک منظوم قصہ "بہار دانش" لکھا۔ کلیات شائع ہو چکا ہے۔

انشاءاللہ خاں انشاء

(وفات ۱۲۳۳ ھ)

آپ خدا نے جب کہا صلی علیٰ محمد
کیوں نہ کہیں پھر انبیاءؑ صلی علیٰ محمد
عرش سے آتی ہے صدا صلی علیٰ محمد
نور جمال کبریا صلی علیٰ محمد

صلی علیٰ نبینا صلی علیٰ محمد

لمعۂ ذات کبریا ، باعث خلق جز و کل
فخر جمیع مرسلیں ، رہبر و ہادی سبل
نور سے جس کے ہو گئی آتش کفر بجھ کے گل
بعد نماز تھا یہی ورد وظیفۂ رسل

صلی علیٰ نبینا صلی علیٰ محمد

بھیجتے ہیں سدا درود وحش وطیور وانس وجن
واہ عجیب چیز ہے قلب ہو جس سے مطمئن
حور و بہشت جاوداں کس کو ملے ہیں اس کے بن
انشاؔ اگر نجات تو چاہے تو پڑھ یہ رات دن

صلی علیٰ نبینا صلی علیٰ محمد

انشاء اللہ خاں انشا، میر ماشا اللہ خاں مصدر کے بیٹے تھے۔ مرشد آباد میں پیدا ہوئے، دھلی میں شاہ عالم کے دربار میں رہے۔ دھلی تباہ ہوئی تو لکھنؤ میں شہزادہ سلیمان شکوہ کی ملازمت اختیار کی، پھر نواب سعادت علی خاں کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ انشا فارسی اور اردو کے علاوہ پنجابی، پوربی، برج بھاشا اور پشتو بھی جانتے تھے۔ ایک دیوان بغیر نقطے کا بھی لکھا۔ ٹھیٹ اردو میں ایک کہانی "رانی کیتکی" لکھی۔ کتابوں میں "دریائے لطافت" زیادہ مشہور ہے۔ شاعری میں بے شمار تجربے کئے، فارسی بحروں کے نام اردو میں تجویز کئے اور منطق کی اصطلاحیں بھی وضع کیں۔ شاھی عتاب کی وجہ سے آخری عمر انتہائی غربت میں بسر کی، نوجوان بیٹے کی موت نے جنونی کیفیت بھی پیدا کردی تھی۔

غلام ہمدانی مصحفی

(١١٦٣ھ — ١٢٤٠ھ)

حنا سے ہے یہ تری سرخ اے نگار انگشت
کہ ہو نہ پنجۂ مرجاں کی زینہار انگشت

محمدؐ عربی معجزوں کا جس کے کبھی
نہ کر سکے فلک پیر کا شمار انگشت

چمن میں اسکی رسالت کا جب کچھ آئے ہے ذکر
علم کرے ہے شہادت کی شاخسار انگشت

وظیفہ جس کا پڑھے ہے یہ دانۂ شبنم
دعا میں جس کی ہے کھولے ہوئے چنار انگشت

کرے جو وصف وہ اس تاج انبیاء کی رقم
قلم کی جوں پئے نرگس ہو تاجدار انگشت

مصحفی امروہہ کے رہنے والے تھے۔ نام غلام ہمدانی تھا۔ دہلی کے قیام کے دوران ملازمت نہیں کی۔ لکھنؤ آئے تو مرزا سلیمان شکوہ کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ مصحفی کے شاگردوں میں ناسخ، آتش اور میر خلیق (انیس کے والد) نامور ہوئے۔ کلیات آٹھ دیوانوں پر مشتمل ہے۔ دو فارسی دیوان ہیں۔ فارسی اور اردو شعرا کے دو تذکرے لکھے۔ انشاء سے خوب نوک جھونک رہتی۔ ٨٠ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ کہتے ہیں کہ ان کے دو دیوان فارسی، ایک ناصرعلی کے رنگ میں اور دوسرا اسیر کے انداز میں، چوری ہو گئے۔

"سچل" سرمست

(۱۱۵۲ھ - ۱۲۴۲ھ)

مری آنکھوں نے اے دلبر، عجب اسرار دیکھا تھا
میانِ ابر اس خورشید کا انوار دیکھا تھا

جلایا طور سینا کو تھا جس نور تجلی نے
ترے کوچے میں اس انوار کو اظہار دیکھا تھا

حذر حاصل ہوا تھا جس جگہ ان علم والوں کو
وہاں میں نے وہی نور مبیں اظہار دیکھا تھا

مرا تو کام تھا اس ہادی و رہبر کی صورت سے
اسی صورت کا میں نے ہر جگہ دیدار دیکھا تھا

برابر ہیں بھر جا جسطرح سورج کی یہ کرنیں
بھر مظہر اسی انداز سے انظار دیکھا **تھا**

کنارہ تھا نہ جس کا تو سچل اس بحر میں آیا
نگوں سار اس میں ہر اک طالب دیدار دیکھا تھا

حافظ عبدالوہاب سچیے ڈنہ، سچل سرمست کے نام سے مشہور ہوئے۔ سچل کے اجداد محمد بن قاسم کے ساتھ آئے تھے۔ ابتدا میں سہون شریف میں رہے، پھر خیرپور میں آباد ہوگئے۔ سچل یہیں ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں قرآن شریف حفظ کر لیا۔ علم تجوید میں مہارت حاصل کی۔ دوران تعلیم مولانا خواجہ عبدالحق سے بیعت ہوکر حلقہ صوفیا میں شامل ہوگئے۔ طویل عمر پائی۔ کلہوڑا خاندان کا زوال اور تالپور خاندان کا عروج دیکھا۔

سچل ہفت زبان شاعر تھے۔ سندھی، سرائکی اور اردو میں سچو، سچل اور سچیے ڈنہ اور فارسی میں آشکار تخلص کرتے تھے۔ سندھی اور فارسی میں کئی مثنویاں بھی لکھی ہیں۔

مولانا محمد اسماعیل شہید

(وفات ۱۲۴۶ھ)

اسی سے ہے مقصود اصلی کتاب
وہی ہیگا مضمون ام الکتاب

خصوصاً کہ جو اکمل انسان ہے
وہ سارے صحیفوں کا عنوان ہے

نبی البرایا، رسول کریم
نبوت کے دریا کا دُر یتیم

حبیب خدا، سید المرسلین
شفیع الوریٰ، ہادی راہ دین

محمّد ہے نام اُن کا احمد لقب
بیان ہو سکے منقبت اُن کی کب

بظاہر جو ہے مقطع انبیاء
حقیقت میں ہے مطلع اصفیاء

الٰہی ہزاروں درود اور سلام
تو بھیج ان پر اور ان کی امت پہ عام

مولانا محمد اسماعیل شہید نہ صرف ایک بہادر جرنیل بلکہ ایک بڑے خطیب اور واعظ بھی تھے۔ آپ کی اہم ترین کتاب "تقویت الایمان" ہے۔ کلمۂ توحید کی تفسیر لکھ کر آپ نے اُن تمام فرسودہ مذہبی رسومات کی تنسیخ کی ہے، جو مسلمانوں میں دوسرے مذاہب کے زیر اثر رائج ہو گئی تھیں۔ آپ کی دوسری کتابوں میں صراط مستقیم، رسالہ اصول فقہ، منصب امامت، مثنوی سلک نور اور مولوی فضل حق خیرآبادی کے جواب میں ایک کتاب "یک روزی" بھی اہم کتابیں ہیں۔

نظیر اکبر آبادی

(وفات ۱۲۴۶ھ)

تم ظہور اولین ہو یا محمدؐ مصطفیٰ
تم دمِ جاں آفریں ہو یا محمدؐ مصطفیٰ
وجہہ قرآنِ مبیں ہو یا محمدؐ مصطفیٰ
نزہتِ بستانِ دین ہو یا محمدؐ مصطفیٰ
زینتِ خلد بریں ہو یا محمدؐ مصطفیٰ

آپ کے نقش قدم سے جو مشرف ہو زمیں
دیکھتا ہے اسکی رفعت رات دن عرش بریں
راز توخلقت کے تم پر ھی کھلے ھیں شاہ دیں
اور جو جو کچھ کہ ھیں اسرار رب العالمین
سب کے تم برحق امیں ہو یا محمدؐ مصطفیٰ

مخبر صادق ہو تم اور حضرت خیرالوریٰ
سرور ہر دو سرا اور شافع روز جزا
ہے تمہاری ذاتِ والا منبعِ لطف و عطا
ہے نظیر اب اور کیا سب کی مدد کا آسرا
یاں بھی تم، واں بھی تمہیں ہو یا محمدؐ مصطفیٰ

نظیر — نادر شاہ کے حملے کے وقت دھلی میں پیدا ہوئے۔ اصلی نام ولی محمد تھا۔ کسی دربار سے وابستہ نہیں رہے۔ مدرسوں میں پڑھایا اور ساری زندگی عوامی انداز میں بسر کی۔ نظیر اردو کے پہلے شاعر ھیں جنھوں نے شاعری کو زندگی کے عام مسائل، اور عوامی خوشیوں اور غموں کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ ان کی شاعری میں ان کا عہد اپنی تمام جغرافیائی، تہذیبی اور لسانی خصوصیات کے ساتھ جلوہ گر نظر آتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ جیتے جاگتے معاشرے کے شاعر ھیں اور بعد میں محمد حسین آزاد اور حالی نے انہیں کی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔

سعادت یار خاں رنگیں

(۱۱۶۹ھ - ۱۲۵۱ھ)

لکھوں نعت اسکی میں کس طرح ساری
براق، ادنیٰ تھی جس کی اک سواری

بڑا ہے عرش سے بھی اُن کا پایہ
کہ سب کچھ جن کی خاطر ہے بنایا

بظاہر گرچہ وہ اُمی تھے لیکن
بھرا تھا علم سے کل اُن کا باطن

بیاں تم سے کریں کیا اُن کی ہر بات
یہ الفت ان کو تھی ہم سے کہ دن رات

جناب کبریا میں کرکے زاری
طلب کرتے تھے آمرزش ہماری

اگر حامی نہ ہوتے ایسے کامل
تو بے شک ہم کو پڑتی سخت مشکل

سراہیں اپنی ہم قسمت کو "رنگیں"
کہ اُمت میں ہوئے ہم اُن کے بے کیں

رنگیں، سرہند میں پیدا ہوئے۔ شہزادہ سلیمان شکوہ کے دربار سے وابستہ رہے، اچھے شہسوار اور فن سپہ گری کے ماہر تھے۔ حیدرآباد دکن میں بھی افسر توپ خانہ رہے۔ ملازمت چھوڑی تو تجارت کرنے لگے۔ شاعری میں حاتم کے شاگرد تھے۔ متعدد تصانیف ہیں: دیوان ریختہ، دیوان بیختہ، دیوان آمیختہ، دیوان انگیختہ، مثنوی دلپذیر اور مثنوی مظہر العجائب، فرسنامہ، ایجاد رنگیں اور مجالس رنگیں وغیرہ۔ ریختی میں انہوں نے خاص شہرت حاصل کی تھی اس لئے ادب کے سنجیدہ طالب علم اُن کی طرف زیادہ متوجہ نہیں ہوئے۔ نعتوں میں البتہ اُن کا رنگ سخن مختلف ہے۔

میر غلام علی مائل

(۱۱۸۱ھ - ۱۲۵۱ھ)

مائل، سندھ کے مشہور مورخ، شاعر اور ادیب میر علی شیر قانع کے بیٹے تھے۔ سندھی کے علاوہ فارسی اور اردو میں بھی شعر کہتے تھے۔ میر کرم علی خان کرم نے انہیں خاص طور پر نوازا۔ غزل، نعت، منقبت، سلام اور مرثیے بکثرت لکھے۔ تاریخ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ تالپوری عہد کے بیشتر اہم واقعات کا سراغ اُن کے اشعار سے ملتا ہے۔ سندھی ادبی بورڈ، کراچی نے سنہ ۱۹۵۹ء میں کلیات مائل شایع کی ہے۔

اۓ صبا جا در مدینہ مصطفیٰ کوں کہہ سلام
اس سراپا نور ذات کبریا کوں کہہ سلام
آفتاب اوج دیں بدرالدجیٰ کوں کہہ سلام
نور مجمل حضرت نورالہدیٰ کوں کہہ سلام

اۓ صبا بعد از سلام آل رسول مقتداء
جا شتابی در حریم حضرت خیرالنساء
از ادب استادہ با صد زاری و صد التجا
بضعۂ ذاتِ رسول مقتدا کوں کہہ سلام

اۓ صبا پھر در جناب چاردہ معصوم پاک
از دلِ مائل کہ غم سیں ھے آنوں کے سینہ چاک
پھر دفع زخم ھاۓ سینۂ آں درد ناک
ایک اک معصوم آل مصطفیٰ کوں کہہ سلام

شیخ امام بخش ناسخ

(وفات ۱۲۵۴ھ)

دکھا اسکو جہاں میں، غل ہے جس کی آمد آمد کا
الٰہی ہوں بہت مشتاق دیدار محمدؐ کا

عبور اللہ نے اسکو دیا ہے علم باطن پر
لیا ہر چند ظاہر میں نہ درس اک حرف ابجد کا

خدا تیرا معرّف ہے، ملک تیرے موصّف ہیں
نہیں حد بشر کہنا ترے اوصاف بے حد کا

نہ سوئے جاہ دنیا منہ کیا اے شاہ دیں تونے
سریر سلطنت تکیہ ہے گویا تیری مسند کا

بنا اے مہر تاباں قصر یاقوت اپنے جلوے سے
سیہ خانہ نظر آتا ہے یہ گنبد زبر جد کا

معانی قل ھواللہ احد کے ہیں یہاں ناسخ
برائے قافیہ رکھا ہے میں نے میم احمدؐ کا

ناسخ کا شمار دبستان لکھنؤ کے خاص شعرا* میں ہوتا ہے۔ وہ اپنی طرز کے منفرد شاعر تھے۔ ناسخ نے فارسی اور عربی علمائے فرنگی محل سے پڑھی اور شاعری میں مصحفی کے شاگرد "تنہا" سے اصلاح لی۔ انہیں ورزش کا بہت شوق تھا، بہت قوی ہیکل تھے۔ غازی الدین حیدر نے ملک الشعرا کا خطاب دیا مگر انہوں نے قبول نہیں کیا چنانچہ عتاب نازل ہوا اور انہیں لکھنؤ چھوڑنا پڑا۔ یہ سانحہ ان کی زندگی میں دو تین بار آیا۔ شاعری میں صنائع، بدائع اور رعایت لفظی اسقدر ہے کہ وہی ان کی پہچان بن گئی۔ تصانیف میں تین دیوان، ایک مثنوی، نظم سراج اور ایک مولود شریف شامل ہیں۔

میر کرامت علی خاں شہیدی (بریلوی)

(وفات ۱۲۵۶ھ)

شہیدی، عبدالرسول خاں کے بیٹے تھے۔ بانس بریلی وطن تھا۔ پہلے مصحفی سے اصلاح لی پھر شاہ نصیر کے شاگرد ہو گئے۔ سیر و سیاحت کا شوق تھا۔ سنہ ۱۲۵۵ھ میں حج و زیارت کے ارادے سے نکلے، حج کے بعد مدینہ منورہ جا رہے تھے کہ بیمار پڑ گئے اور سنہ ۱۲۵۶ھ میں وہیں انتقال کیا۔

شہیدی نے بہت اعلیٰ معیار کی نعتیں کہی ہیں۔ بلاشبہ اس فن میں انہیں بلندترین مقام حاصل ہے۔

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کے مد کا
سر دیوان لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمدؐ کا

ہوئی ہے ہمت عالی مری معراج کی طالب
میسر ہو طواف اے کاش مجھکو تیرے مرقد کا

کبھی نزدیک جا کر آستانے پر ملوں آنکھیں
کبھی گر دور بیٹھوں میں، کروں نظارہ گنبد کا

عجم میں زلزلہ نوشیرواں کے قصر میں آیا
عرب میں شور تھا جس وقت اسکی آمد آمد کا

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

سید علی شاہ غمگین دہلوی

(وفات ۱۲۶۸ھ)

ظاہر و باطن ہے حمد و نعت ہر انسان کا
معنی و صورت، یہ مطلع ہے مرے دیوان کا

ہے مرا ظاہر محمدؐ اور باطن ہے خدا
قال یہ ہے حال کھونا اپنے ہے ایمان کا

روبرو ہے پر اسے دیکھا نہیں جاتا ہے آہ
کیا کہوں میں حال اپنے حسرت و ارمان کا

بے سرو سامانی اک ساماں ہے اے دل یاد رکھ
کاروانِ عشق میں ہر بے سر و سامان کا

معرفت پر اس کے حق کی معرفت موقوف ہے
مرتبہ ایسا ہے عالی حضرتِ انسان کا

غمگین، میر سید محمد مغفور کے خلف الصدق تھے اور اپنے عہد کے اچھے نعت گو شعرا میں شمار ہوتے تھے۔ تاریخ ادب میں زیادہ تر ایسے ہی شعرا کے تذکرے ملتے ہیں جنھوں نے غزل، مثنوی، قصیدہ اور اس قسم کی دوسری اصناف میں نام پیدا کیا۔ لیکن بعض شعرا ایسے ہیں جنھوں نے صرف نعت اور منقبت لکھی ہے، اس لئے انہیں ایک مخصوص صف میں شامل کر کے نظر انداز کر دیا گیا۔ غمگین کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔

مومن خاں مومن دہلوی

(۱۲۱۵ھ - ۱۲٦٦ھ)

ہوں تو عاشق مگر اطلاق یہ ہے بے ادبی
میں غلام اور وہ صاحبؐ ہے، میں امت وہ نبی
یا نبی یک نگہ لطف بامی و ابی
مرحبا سید مکی مدنی العربی

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

دشت عالم میں سراسیمہ گزاری اوقات
آج تک منزل مقصود نہ پائی ہیہات
مدد اے خضر کرامت کہ نہیں پائے ثبات
ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات

لطف فرما کہ ز حد می گزرد تشنہ لبی

صاحب خانہ سے ہوتا ہے مکاں کا اکرام
وہی جنت ہے جہاں میں ہو جہاں تیرا قیام
آب ہر چشمہ کرے کوثر و تسنیم کا کام
نخل بستان مدینہ ز تو سر سبز مدام

زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

مومن اپنے عہد کے دوسرے بڑے شاعر تھے اور فن طب اور علم نجوم کے بھی ماہر تھے۔ امراء اور حاکموں کی شان میں (سوائے ایک قصیدے کے) کوئی قصیدہ نہیں لکھا۔ تصانیف میں ایک دیوان اور چھ مثنویاں شامل ہیں۔ تاریخ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ ایک دفعہ کوٹھے سے گر پڑے تو تاریخ کہی۔

دست و بازو بشکست

اسی سے ان کی تاریخ وفات بھی نکلتی ہے۔ مومن کی یہ نعتیہ تضمین آج تک زباں زد خاص و عام ہے۔

نوٹ: قدسی کی اس مقبول ترین فارسی نعت پر ہر عہد کے اردو شعرا نے تضمینیں لکھی ہیں۔ میں نے ان نعتیہ تضمینوں کو عہد وار مرتب کیا ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد کتابی صورت میں پیش کروں گا۔ (حمایت علی شاعر)

شیخ محمد ابراہیم ذوق

(۱۲۰۴ھ - ۱۲۷۱ھ)

ہوا حمدِ خدا میں دل جو مصروفِ رقم میرا
الف الحمد رب العالمین کا ہے قلم میرا

رہے نام محمد لب پہ یا رب اول و آخر
الٹ جائے بوقتِ نزع جب سینے میں دم میرا

محبت اہلِ بیت مصطفیٰ کی نور برحق ہے
کہ روشن ہو گیا دل مثل قندیلِ حرم میرا

دکھائی مجھ کو راہِ شرع اصحاب پیمبر نے
چراغ راہ ہے اکرام اصحاب کرم میرا

شہِ بغداد کا خطِ غلامی "ذوق" رکھتا ہوں
نہ کیوں دل اس خطِ بغداد سے ہو جام جم میرا

ذوق، ایک غریب سپاہی شیخ رمضان کے بیٹے تھے۔ شاہ نصیر سے اصلاح لی جو بہادر شاہ ظفر کے استاد تھے۔ ان کے بعد ذوق نے یہ خدمت انجام دی۔ اکبر شاہ ثانی نے خاقانی ہند کا خطاب دیا اور بہادر شاہ ظفر نے خان بہادر کا۔ ذوق کے شاگردوں، محمد حسین آزاد اور غلام رسول ویران نے ان کا کلام جمع کر کے ۱۲ ہزار اشعار پر مشتمل ایک دیوان مرتب کیا جس میں پندرہ قصیدے اور ایک ناتمام مثنوی "نامہ جہاں نور" بھی ہے۔

بہادر شاہ ظفر

(وفات ۱۲۷۹ھ)

اے سرور دو کون شہنشاہ ذوالکرم
سرخیل مرسلین و شفاعت گر امم

تو تھا سریر اوج رسالت پہ جلوہ گر
آدم جہاں ہنوز پس پردۂ عدم

صدقے زمیں کے ہوتا نہ پھر پھر کے آسماں
رکھتا سر زمیں نہ اگر اپنا تو قدم

واللیل تیرے گیسوئے مشکیں کی ہے ثنا
والشمس ہے ترے رخ پر نور کی قسم

پہنچا نہ آستانہ مقدس کو تیرے میں
اس غم سے مثل چشمہ ہوئی میری چشم نم

تیری جناب پاک میں ہے یہ ظفر کی عرض
صدقے میں اپنے آل کی اے شاہ محتشم

صیقل سے اپنے لطف و عنایت کے دور کر
آئینۂ ضمیر سے میرے غبار غم

سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ، ظفر تخلص کرتے تھے۔ پہلے شاہ نصیر، پھر کاظم حسین بے قرار، پھر ذوق اور آخر میں غالب کے شاگرد رہے۔ لیکن ان کا طرز شاعری سب سے مختلف ہے۔ مجموعی طور پر ان کے پانچ دیوان ہیں۔ ایک دیوان غدر میں ضائع ہو گیا۔ کلیات میں تقریباً ۳۰ ہزار سے زیادہ اشعار ہیں۔ ہر صنف سخن میں لکھا اور اردو کے علاوہ پنجابی اور فارسی میں بھی شاعری کی۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے انھیں رنگون میں قید کر دیا۔ سنہ ۱۸۶۲ء میں وہیں انتقال کیا۔

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ

(۱۲۲۱ھ — ۱۲۸۶ھ)

کیا تھا نور جب اللہ نے پیدا محمدؐ کا
اسی دن سے ہوا ہے عاشق، شیدا محمدؐ کا

نہ ہو ذکر مبارک آپ کا وردِ زباں کیونکر
میں ہوں روز ازل سے عاشق شیدا محمدؐ کا

فرشتے قبر میں پوچھیں گے گر مجھ سے تو کہدوں گا
کہ ہوں بندہ خدا کا اور ہوں شیدا محمدؐ کا

خدایا جب مری اس قالب خاکی سے جاں نکلے
زباں پر اس گھڑی جاری رہے کلمہ محمدؐ کا

بشر کی تاب وطاقت کیا جو لکھے نعت احمدؐ کو
خدا ہی جانتا ہے خوب، بس رتبہ محمدؐ کا

خدا بھی حشر میں پوچھے اگر عاشق تو کس کا ہے
تو کہدوں گا، محمدؐ کا، محمدؐ کا، محمدؐ کا

تمنا ہے کہ فوراً جاں بحق تسلیم ہوجاؤں
نظر آئے جو مجھ کو شیفتہ روضہ محمدؐ کا

شیفتہ، فارسی اور عربی کے ماہر تھے اور علوم دینی میں بھی درک رکھتے تھے۔ نقشبندیہ خاندان سے بیعت حاصل تھی۔ غدر میں ماخوذ ہوئے تھے مگر بعد میں چھوڑدیئے گئے اور ان کا علاقہ بھی انہیں واپس مل گیا۔ شاعری میں مومن سے تلمذ حاصل تھا۔ ۲۱ برس کی عمر میں دیوان ترتیب دیا۔ فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے۔ سنہ ۱۲۵۴ھ میں سفر حجاز کیا اور واپسی کے بعد شعر گوئی کم کردی۔ تصانیف میں دیوان اردو، دیوان فارسی، رقعات فارسی، تذکرۂ گلشن بے خار اور سفر نامہ حجاز "رہ آورد" کے نام سے موجود ہیں۔

شاہ خاموش

(وفات ۱۲۸۶ھ)

دلبر ہے بر میں الحمد للہ
سب کچھ ہے گھر میں الحمد للہ

دو جگ کا والی آ کر بسا ہے
دل کے نگر میں الحمد للہ

شکلِ نبی کا، شکلِ نبی کا
سودا ہے سر میں، الحمد للہ

تاثیرِ عشقِ خیر البشر کی
دل میں، جگر میں الحمد للہ

نور محمدؐ جلوہ نما ہے
اپنی نظر میں الحمد للہ

ہے نورِ احمدؐ، صلِ و سلم
شمس و قمر میں، الحمد للہ

خاموش ہوکر، دیکھا تماشہ
حق کا بشر میں، الحمد للہ

شاہ خاموش بیدر (دکن) کے رہنے والے تھے اور خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی اولاد میں سے تھے۔ شاہ علی صابر چشتی کے خلیفہ تھے۔ عرب اور دوسرے مقامات کی سیر و سیاحت کے بعد سنہ ۱۲۵۰ھ میں حیدرآباد (دکن) آئے۔ یہ ناصر الدولہ کا عہد حکومت تھا۔ بہت عابد و زاہد اور صوفی منش بزرگ تھے۔ ان کا تذکرہ "مرقع سخن" شائع ہوچکا ہے۔ شاہ خاموش نے زیادہ تر نعتیں لکھی ہیں۔

میر ببر علی انیس

(۱۲۱۷ھ - ۱۲۹۱ھ)

منظور تھا کہ اور روایت کروں رقم
یاد آگئی مگر یہ حدیثِ غم و الم
مسجد میں جلوہ گر تھے رسولِ فلک حشم
حلقے تھے ذکر حق میں لبِ پاک دم بدم
روشن تھے بام و در رخِ روشن کے نور سے
آئینہ بن گئی تھی زمیں تن کے نور سے

اصحاب خاص گرد تھے انجم کی طرح سب
تاباں تھا بیچ میں وہ مہِ ہاشمی لقب
سر پر ملک صفات مگس راں تھے وہ عرب
جبریل تھے، کٹے ہوئے تھے زانوئے ادب
خادم بلال قنبر گردوں اساس تھا
نعلین اس کے پاس، عصا اُس کے پاس تھا

گیسو تھے وہ مفسر واللیل اذا سجیٰ
رخ سے عیاں تھے معنی والشمس والضحیٰ
وہ ریش پاک اور رخِ سردارِ انبیاء
گویا تھا جیسے رحل پہ قرآں دھرا ہوا
اوڑھے سیاہ جبہ جو عالم پناہ تھا
کعبہ کا صاف حاجیوں کو اشتباہ تھا

میر انیس، میر حسن کے پوتے اور میر خلیق• کے صاحبزادے تھے۔ فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولوی حیدر علی سے پائی۔ فن سپہ گری کے ساتھ ساتھ فن شہسواری بھی خوب جانتے تھے۔ شاعری ورثہ میں ملی تھی۔ ابتدا میں غزلیں کہیں مگر بعد میں والد کی ہدایت پر اپنے آپ کو مرثیے کے لئے وقف کر دیا۔ بڑے قادر الکلام شاعر تھے۔ مرثیہ گوئی میں یقیناً انہیں اعلیٰ ترین مقام حاصل ہے۔ اس صنف میں اُن کے ساتھ اگر کسی کا نام لیا جا سکتا ہے تو صرف مرزا دبیر کا، جو اُن کے ہم عصر تھے۔

نوٹ:- جوش ملیح آبادی نے اپنے ایک شعر میں یہیں سے تشبیہہ اڑائی ہے (ح-ع-ش)

مرزا دبیر

(۱۲۱۸ھ – ۱۲۹۲ھ)

دبیر کے مورثِ اعلیٰ ملا ہاشم شیرازی، ایران کے مشہور شاعر ملا اہلی شیرازی (مثنوی سحر حلال) کے بھائی تھے - ابھی یہ ۱۳ ہی برس کے تھے کہ والد مرزا غلام حسین کا انتقال ہو گیا - دبیر دہلی میں پید ہوئے مگر بچپن ہی میں لکھنؤ آگئے - شاعری میں میر ضمیر سے اصلاح لی - شادی انشا اللہ انشا کی نواسی سے ہوئی - شاہ غازی الدین حیدر اور شاہ نصیرالدین حیدر کے زمانے میں دبیر کو بہت شہرت اور عزت ملی - واجد علی شاہ بھی انکی بہت عزت کرتے تھے - مرثیہ نگاری میں انیس کے بعد دبیر ہی کا نام لیا جاسکتا ہے - انیس کے انتقال کا انہیں اتنا صدمہ ہوا کہ تین ماہ اور ایک دن بعد وہ بھی اس جہاں سے رخصت ہو گئے -

۱

کیا قامتِ احمدؐ نے ضیا پائی ہے\
چہرے میں عجب نور کی زیبائی ہے\
مصحف پہ نہ کیوں فخر ہو اس صورت کو\
قرآن سے پہلے یہ کتاب آئی ہے

۲

آدم نے شرف خیر بشر سے پایا\
رشتہ ایمان کا اس گہر سے پایا\
دو میم محمدؐ سے جہاں روشن ہے\
مضموں یہ دلِ شمس و قمر سے پایا

۳

یٰسین کو سن کر جو قضا کرتے ہیں\
حق الفت احمدؐ کا عطا کرتے ہیں\
یٰسین ہے نبی کا نام سو نزع کے وقت\
اس نام پہ جاں اپنی فدا کرتے ہیں

نواب اختر محل بیگم اختر

(وفات ۱۲۹۳ھ)

تجھ پہ قرباں ہوں میں اے ہاشمی و مطلبی
کہ ہے مشہور دو عالم تری عالی نسبی
دیکھ رتبے کو ترے، شوکت افلاک دبی
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

سب سے پہلے کیا اللہ نے پیدا ترا نور
پردہ نور کو اللہ نے رکھا مستور
اور اس نور کا اظہار ہوا جب منظور
ذاتِ پاک تو دریں ملک عرب کرد ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبانِ عربی

سختی حشر سے گھبرائیگی جب مخلوقات
اور نہ بن آئے گی اے ابر کرم کوئی بات
انبیاء سب تجھے کہویں گے کہ اے بحر نجات
ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبِ حیات
لطف فرما کہ ز حد می گذرد تشنہ لبی

قدیم تذکروں میں حکیم فصیح الدین رنجؔ کا تذکرہ "بہارستان ناز" ملتا ہے۔ اور اسکے بعد درگا پرشاد نادر دہلوی کے تذکرے "گلشن ناز" اور "چمن انداز" ہیں۔ یہ تذکرے بارھویں صدی ھجری میں شائع ہوئے۔ ان تذکروں کے مطالعے سے بعض ایسی نعتوں کا بھی سراغ ملتا ہے جو خواتین نے کہی تھیں۔ ان خواتین میں نواب اخترمحل بیگم اختر کا نام اہم ہے۔

بیگم اخترمحل کا تعلق خاندان تیموریہ سے تھا اور وہ ایک اچھی شاعرہ تھیں۔

بیگم کیفی

بیگم کیفی خاندان تیموریہ کی ایک اور شہزادی تھیں۔ ان کی ایک نعت حکیم فصیح الدین رنج نے "بہارستان ناز" میں نقل کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اس ایک نعتیہ خمسے کے علاوہ ان کا کوئی اور کلام کہیں نظر نہیں آیا۔" یہ نعتیہ تضمین بھی چونکہ ادبی و فنی اعتبار سے اہم ہے اس لئے میں نے بھی منتخب کر لی ہے۔

کس کا منہہ ہے جو کرے مدح تری میرے نبی
نعت اطہر میں ہے رہب شخص ذکی، محض غبی
حبذا ذات تری مایۂ حاجت طلبی
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

ذات انور سے بنا سارا جہاں عالم نور
اور فروغ اس کے سے، ہر خانہ ہے بیت المعمور
رب عزت کو جو اعزاز عرب تھا منظور
ذات پاک تو در ایں ملک عرب کرد ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبان عربی

فرقت روئے مقدس میں نہیں تاب حیات
زہر پی جاؤں، پلائیں جو مئے ناب حیات
تشنۂ وصلت اقدس نہیں سیراب حیات
ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات
لطف فرما کہ زحد می گذرد تشنہ لبی

حضرت نصر پھلواری

(۱۲۴۹ھ — ۱۲۹۵ھ)

رہا دل میں میرے خیال محمدؐ
خدا مجھ کو دیوے وصال محمدؐ

الٰہی یہ آنکھیں مری کام آویں
کہ دیکھوں میں ان سے جمال محمدؐ

رسولوں کا سردار حق نے بنایا
نہ پایا کسی نے کمال محمدؐ

جہاں میں نہ ایسا ہوا ہے نہ ہوگا
نہیں ہے جہاں میں مثال محمدؐ

غلامی میں ہو رتبۂ نصر ایسا
کہے خلق اسکو بلال محمدؐ

حضرت نصر پھلواری سجادہ نشین تھے۔ نام شاہ محمدعلی حبیب تھا اور نصر تخلص۔ سلوک و طریقت اپنے چچا مولانا ابو تراب آشنا سے حاصل کیا۔ حدیث کی تعلیم اپنے چچازاد بھائی مولانا شاہ آل احمد محدث مہاجر مدنی سے حاصل کی۔ سنہ ۱۲۶۳ھ میں اپنے والد حضرت فرد الاولیا شاہ ابوالحسن فرد کے مرید ہوئے اور ۴۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ غدر میں آپ کو بھی حکومت کا باغی قرار دیا گیا تھا مگر بعد میں اس الزام سے بری کردیا گیا۔ آپ کا دیوان "معجز بیان" کے نام سے موجود ہے۔

غلام امام شہید

(وفات ۱۲۹۶ھ)

جب سے ہوا وہ گل چمن آرائے مدینہ
جبریل بنا بلبل، شیدائے مدینہ

سینہ ہے مرا روکش صحرائے مدینہ
دل ہے جرس محمل، لیلائے مدینہ

واں کے در و دیوار مرے پیش نظر ہیں
اندھیر ہو گر آنکھ سے چھپ جائے مدینہ

ہر سنگ میں واں کے شرر طور ہے پنہاں
ہر خشت کو کہیے ید بیضائے مدینہ

قسمت یہ دکھاتی ہے کہ حسرت کی نظر سے
ہم دیکھتے ہیں ان کو جو دیکھ آئے مدینہ

مولانا غلام امام شہید، شاہ غلام محمد کے بیٹے تھے۔ قصبۂ امیٹھی، ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ شاعری میں قتیل و مصحفی اور فارسی نظم و نثر میں آغا سید اسماعیل مازندرانی کے شاگرد تھے۔ سرکار نظام سے وظیفہ بلاشرط خدمت ملا کرتا تھا۔ بحیثیت نعت گو ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان کی تصنیف "میلاد شہیدی" مولود کی محفلوں میں آج تک ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہے۔ اس کا ایک قدیم نسخہ کراچی یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ شہید کا فارسی دیوان سنہ ۱۳۰۰ھ میں نول کشور نے شایع کیا تھا۔ ان کے بعض قصائد سے قاآنی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

قلق میرٹھی

(وفات ۱۲۹۶ھ)

برق سحاب مہر ہے ابروئے مصطفیٰ
ہے طرہ اس پہ سایۂ گیسوئے مصطفیٰ

کیونکر نہ دیر و کعبہ میں ہم رنگ نور ہو
یاں پشت مصطفیٰ ہے وہاں روئے مصطفیٰ

اے کاش گناہ سبک کر مجھے کہ میں
جنبش سے ہر نفس کے اڑوں سوئے مصطفیٰ

اک پاؤں فرش خاک پہ اک فرق عرش پر
ہے دو جہاں کے پشت دو زانوئے مصطفیٰ

مفت نظارہ کوچۂ جنت کی دید ہے
وقف اشارہ ہے خم ابروئے مصطفیٰ

کیا تاب آفتاب نہ ہو سرد حشر میں
ہے جلوہ ریزۂ مہر وہاں روئے مصطفیٰ

اهل حساب پوچھتے ہو کیا قلق کا حال
ہاں رند ہے مگر ہے ثنا گوئے مصطفیٰ

حکیم مولا بخش قلق، حکیم مومن خاں مومن دهلوی کے شاگرد تھے۔ وطن میرٹھ تھا مگر عمر کا زیادہ حصہ دهلی میں گذرا، انھوں نے تعلیم بھی وهیں حاصل کی۔ فارسی کی تحصیل مولانا امام بخش صہبائی سے حاصل کی، عربی اور دیگر علوم (منطق و فلسفہ اور صرف و نحو) ملا" انتظام علی سہارنپوری سے سیکھے۔ طب کا درس دهلی کے مشہور حکیم غلام نقشبند خاں سے لیا۔

دهلی اُن دنوں شعر و ادب کا مرکز تھا۔ قلق مزاجاً شاعر واقع ہوئے تھے پھر مومن کی توجہ۔۔۔ چنانچہ بہت جلد انھوں نے اپنا ایک مقام پیدا کر لیا۔

غدر کے بعد قلق مجبوراً میرٹھ واپس آئے اور پھر آخر عمر تک وهیں رہے۔ اپنے کلیات کو ترتیب دیا مگر زندگی میں شائع نہ کرواسکے۔ کلیات انتقال کے بعد شائع ہوا۔

"لطف" بریلوی

(وفات ۱۲۷۰ھ کے بعد)

شفیع الوریٰ، یا شفیع الوریٰ مجھے بخشوا یا شفیع الوریٰ

کروں کس سے فریاد اے دادرس تمہارے سوا یا شفیع الوریٰ

کہاں جائے اے شاہ در سے ترے ترا یہ گدا یا شفیع الوریٰ

سہارا ہے ہر دو سرا میں ترا نہیں دوسرا یا شفیع الوریٰ

مجھے بھول جانا نہ بہر خدا بروز جزا یا شفیع الوریٰ

جہنم سے مجھ کو بچالیجیو برائے خدا یا شفیع الوریٰ

خدا خود ہے مداح قرآن میں ترا جابجا یا شفیع الوریٰ

بشر کیا فرشتوں سے لکھی نہ جائے تمہاری ثنا یا شفیع الوریٰ

بلالے مدینے میں اب لطف کو نہ در در پھرا یا شفیع الوریٰ

مولوی حافظ لطف علی خاں لطف بریلوی کے بارے میں مولانا عبدالسلام ندوی شعرالہند کے حصہ دوم میں لکھتے ہیں:

"جن شعرا نے نعت کو اپنے کلام میں مستقل حیثیت دی اور اس میں وسعت پیدا کی ان میں غلام امام شہید کے ساتھ لطف علی خاں لطف بھی ہیں" اور تذکرہ "مہر جہاں تاب" کے حوالے سے یہ بھی صراحت کی ہے کہ اُن کا دیوان تمام تر نعت میں ہے۔

"دیوانش بہ تمامہا در نعت" لیکن اس میں منقبتیں بھی ہیں۔

لطف کا دیوان اُن کی اجازت سے پہلی مرتبہ مطبع آئینہ سکندر بریلی میں چھپا، پھر سنہ ۱۲۷۰ھ میں مطبع گلشن محمدی لکھنؤ سے شائع ہوا جس میں اُن کا ایک قطعہ تاریخ طباعت بھی ہے۔ ۱۲۷۹ھ میں ان کا دیوان مطبع نظامی کانپور میں چھپا۔ اس دیوان میں ۱۰۲ غزلوں، ایک خمسہ اور قطعہ کے علاوہ ۱۹۷ اشعار کا ایک سراپا بھی ہے۔

مرزا فتح علی بیگ فتح

(۱۲۱۵ھ — ۱۳۰۰ھ)

کس درجہ یہ ھشیار ھیں رندانِ محمدؐ
پیتے ھیں فقط بادۂ عرفانِ محمدؐ
کیا نشہ ھے واللہ مئے حب نبی کا
پی کر ھوئے ذی ھوش یہ مستانِ محمدؐ
مقدور کہاں ھے کہ لکھوں نعت نبی میں
خلاق محمدؐ ھے ثنا خوانِ محمدؐ
آئے ھیں زیارت کو ملک عرش بریں سے
انّے صل علیٰ عظمت ایوانِ محمدؐ
ادنیٰ کہ ھو اعلیٰ سب اسی در کے پلے ھیں
ھیں ارض و سما بندۂ احسان محمدؐ
سلطانیٔ عالم در حضرت پہ گدائی
رتبے میں سلیماں ھے، سلمان محمدؐ
آیات الٰہی سے فتح یہ ھوا ظاھر
ھے ایک غرض شانِ خدا، شانِ محمدؐ

مرزا فتح علی بیگ، مرزا مراد علی بیگ کے فرزند تھے۔ حیدرآباد سندھ میں رھائش تھی۔ سندھی کے علاوہ اردو میں بھی شعر کہتے تھے۔ عموماً رباعی، مرثیہ، قصیدہ اور کافی لکھی، اردو میں سلام اور نوحے لکھے۔ میر حسن علی خان تالپور نے انہیں کی حوصلہ افزائی سے شاعری شروع کی، مرزا ان کے کلام کی اصلاح کرتے تھے۔ کلام کا ایک قلمی نسخہ ان کے خاندان میں اب تک محفوظ ھے۔

نواب اللہ داد خاں لغاری — "صوفی"

(۱۲۳۸ھ — ۱۳۰۰ھ)

صوفی، ولی محمد خاں لغاری کے بیٹے تھے۔ محمد نصیر خاں تالپور کی ملازمت میں رہے۔ سنہ ۱۸۴۳ء میں سندھ پر انگریزوں نے قبضہ کیا تو آپ بھی مصیبتوں کے شکار رہے، پھر انگریزوں کی ملازمت اختیار کرلی اور مختیارکار کی حیثیت سے کام کیا۔ کوٹ لاشاری، تعلقہ سہون میں رہتے تھے، وہیں انتقال ہوا۔ سندھی کے علاوہ فارسی، سرائکی اور اردو میں بھی کلام موجود ہے۔ صوفی صاحب نے مثنویاں بھی لکھی ہیں۔

پہلے کہوں نام خدا، جو ہے خدا سب سے بڑا
شب روز ہے جس کی ثنا، میری زبان سے ماجرا
مجھ کوں خدا و مصطفیٰ
ہیں دو جہاں میں آسرا

والشمس ہے رو کی قسم، واللیل گیسو کی قسم
مشکین اس مو کی قسم، مجھ کوں وہ ابرو کی قسم
مجھ کوں خدا و مصطفیٰ
ہیں دو جہاں میں آسرا

مہ کیا اسی مکھ سے ملے، گل کیا اسی گل سے رلے
قرآں صفت اس کے بلے، جوں ہار ہے اس کے گلے
مجھ کوں خدا و مصطفیٰ
ہیں دو جہاں میں آسرا

عبدالغفور نساخ

(۱۲۴۹ھ - ۱۳۰۶ھ)

اب رقم کرتا ہوں نعت مصطفیٰ
جس سے عالم ہوئی حاصل صفا

سید کونین، ختم المرسلین
دورِ آخر میں ہے فخرالاولین

طے جو کی معراج میں راہ سما
کیوں نہ ہوں محتاج اس کے انبیاء

ہے وہ بے شک رحمت اللعالمیں
اسکی مسجد ہے یہ سب روئے زمیں

رحمت خلاق خورشید و قمر
ہوئے نازل اسکی آلِ پاک پر

بھیجتا ہوں سو درود و سو سلام
آل و اصحاب نبی پر صبح و شام

نساخ، فریدپور (بنگلہ دیش) کے رہنے والے تھے۔ بہار کے متعدد شعرا نے ان سے اصلاح لی ہے۔ "سخن شعرا" میں اپنے بارے میں لکھتے ہیں۔ "مرزا ابو محمد عبدالغفور خالدی، متخلص بہ نساخ، ڈپٹی کلکٹر و ڈپٹی مجسٹریٹ راج شاہی، معروف بہ رام پور بوالیہ۔ ابن منشی قاضی فقیر محمد صاحب جامع التواریخ۔" نساخ حضرت رشیدالنبی وحشت کے شاگرد تھے۔ ناسخ کو زیر کرنے کے لئے نساخ تخلص رکھا۔ ناسخ کے خلاف ایک کتاب "طومار اغلاط" بھی لکھی تھی۔ ویسے ان کی اور بھی کتابیں ہیں۔

مولانا امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی

(وفات ۱۳۱۰ھ)

کر کے نثار آپ پہ گھر بار یا رسول
اب آ پڑا ہوں آپ کے دربار یا رسول

عالم نہ متقی ہوں نہ زاہد نہ پارسا
ہوں امتی، تمہارا گنہگار یا رسول

دونوں جہاں میں مجھ کو وسیلہ ہے آپ کا
کیا غم ہے گرچہ ہوں میں بہت خوار یا رسول

ذات آپ کی تو رحمت و شفقت ہے سر بسر
میں گرچہ ہوں تمام خطاوار یا رسول

کیا ڈر ہو اسکو لشکر عصیاں و جرم سے
تم سا شفیع ہو جس کا مددگار یا رسول

ہو آستانہ آپ کا "امداد" کی جبیں
اس سے زیادہ کچھ نہیں درکار یا رسول

مولانا امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی علمائے دین میں سے تھے۔ ساری زندگی نعتیں لکھیں، دوسری اضاف سخن میں ان کا کوئی شعر نہیں ملتا۔ جو نعتیں دستیاب ہیں ان کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ عشقِ رسول میں سرشار تھے اور نہایت سادہ اور سلیس الفاظ میں اپنے افکار و جذبات کا اظہار کیا کرتے تھے۔

مولانا قاسم نانوتوی

(وفات ۱۲۹۷ھ)

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اس کی
کہ جس پہ ایسا تری ذات خاص کا ہو پیار

جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو
نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار

تو فخر کون و مکاں، زبدۂ زمین و زماں
امیر لشکر پیغمبراں، شہ ابرار

اڑا کے باد مری مشت خاک کو پس مرگ
کرے حضورؐ کے روضے کے آس پاس نثار

ولے یہ رتبہ کہاں مشت خاک قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بنکے غبار

مولانا قاسم سنہ ۱۲۴۸ھ میں نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ گیارہ برس کی عمر میں اپنے چچا مولانا مملوک علی کے ساتھ دہلی گئے اور وہیں تعلیم پائی۔ حدیث شاہ عبدالغنی دہلوی سے پڑھی۔ اپنے ہم سبق مولانا رشید احمد گنگوہی کے ساتھ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت کی اور سلوک شروع کیا۔ غدر کے ہنگامے کے بعد کچھ عرصے کے لئے مکہ معظمہ چلے گئے، پھر واپس آکر میرٹھ کے ایک پریس میں کام شروع کردیا۔

انھیں دنوں قصبۂ دیو بند میں ایک مدرسہ قائم ہوا۔ آپ وہاں گئے اور اس کی سرپرستی شروع کی۔ آپ ہی کی کاوشوں سے یہ مدرسہ "دارالعلوم" بن سکا اور اس کی عالیشان عمارت تعمیر ہو سکی۔ (علی گڑھ کالج بھی اسی زمانے میں قائم ہوا تھا)۔

مولانا کا زیادہ وقت دینی مناظروں میں گذرتا۔ تصانیف میں چند رسالے "قبلہ نما" وغیرہ ہیں، ان میں بھی مناظرانہ عنصر غالب ہے۔

امیر مینائی

(۱۲۴۴ھ - ۱۳۱۸ھ)

نام امیراحمد تھا، والد کا نام کرم محمد تھا۔ مخدوم شاہ مینا کے خاندان سے تھے۔ لکھنو میں پیدا ہوئے۔ تعلیم مفتی سعداللہ اور علمائے فرنگی محل سے حاصل کی۔ شاعری میں اصلاح امیر لکھنوی سے لی۔ واجد علی شاہ کے دربار میں رسائی ہوئی تو دو کتابیں ارشاد السلطان اور ھدایت السلطان لکھیں۔ رامپور گئے تو نواب نے انھیں اپنا استاد مقرر کیا۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں حیدرآباد دکن گئے، تو کچھ ھی دن بعد ان کا انتقال ھو گیا۔

امیر مینائی نے کم و بیش ۲۵ کتابیں لکھی ھیں۔ ایک دیوان "غیرت بہارستان" غدر میں ضائع ھو گیا۔ شعری تصانیف میں غزلوں کے دو دیوان "مراۃ الغیب" اور "صنم خانۂ عشق"، ایک نعتیہ دیوان "محامد خاتم النبیین"، دو مثنویاں نور تجلی اور ابر کرم، ایک مولود شریف "ذکر شاہ انبیا"، چھ واسوختوں کا ایک مجموعہ اور دو کتابیں صبح ازل اور شام ابد آنحضرت صلعم کی ولادت اور وصال کے بیان میں ھیں۔ نثری تصانیف میں تذکرۂ شعرائے رامپور، خیابان آفرینش اور سرمۂ بصیرت کے علاوہ امیراللغات ان کا ایک بڑا کارنامہ ھے۔

اب کہاں چین، خبر دی مرے جی نے مجھ کو
کہ مدینے میں بلایا ھے نبی نے مجھ کو

شوق محبوب الٰہی میں نہیں صبر کی تاب
لے چل اے جذبۂ دل جلد مدینے مجھ کو

ھے یقیں راہ میں مل جائیں گے جبریل امیں
سب بتادیں گے زیارت کے قرینے مجھ کو

اب نہ ٹھہروں جو کرے میری خوشامد بھی وطن
کہ پکارا ھے غریب الوطنی نے مجھ کو

رات دن ھند میں رھتا ھے یہی دھیان "امیر"
اب کیا یاد رسول عربی نے مجھ کو

میر مہدی مجروح

(وفات ۱۳۲۱ھ)

وصف کیا ہو بیاں محمدؐ کا
ہے خدا مدح خواں محمدؐ کا

عرش اسکو سمجھ نہ روح امیں
یہ تو ہے آستاں محمدؐ کا

تھی زمیں عرش کی نہ ہم پہلو
سایہ پڑتا کہاں محمدؐ کا

حامل عرش بھیجتے ہیں درود
نام آیا جہاں محمدؐ کا

ہے وہ ذات خدا میں مستغرق
حق ہے جو ہے بیاں محمدؐ کا

ہے بہت کہنہ ورنہ ہم کہتے
فرش ہے آسماں محمدؐ کا

فخر بس ہے یہی کہ اے مجروح
تو ہوا مدح خواں محمدؐ کا

میر مہدی مجروح، مرزا غالب کے محبوب اور سب سے عزیز شاگرد تھے۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ غدر کے ہنگامے میں پانی پت چلے گئے تھے، پھر دوبارہ دہلی آگئے۔ سنہ ۱۳۱۶ھ میں انہوں نے اپنا ایک دیوان "مظہر معانی" کے نام سے چھپوایا۔ انداز کلام نہایت سادہ و شیریں ہے۔ مولانا حالی نے ان کی بڑی تعریفیں کی ہیں۔ میر مہدی مجروح ان لوگوں میں سے ہیں جن پر ایک عہد ختم ہوجاتا ہے۔

سید محمد ذکریا خاں ذکی دہلوی

(۱۸۳۹ء - ۱۹۰۳ء)

نواب سید محمد ذکریا خاں رضوی "ذکی" غالب کے شاگرد تھے۔ فارسی اور عربی خوب جانتے تھے، اس کے علاوہ فن طب، نجوم، حدیث، فقہ اور تصوف میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے - خیال آفرینی اور جدت تخیل ان کے کلام کا جوہر ہے۔ دیوان زندگی ہی میں شائع ہو چکا تھا - اپنے زمانے میں طرز قدیم کے استاد مانے جاتے تھے۔ دیگر اصناف سخن کے ساتھ، ذکی نے نعت گوئی کی طرف بھی خاص توجہ دی تھی۔

ذکی آئینۂ توحید نور مصطفیٰ دیکھا
اس آئینہ میں رنگِ جلوۂ نور خدا دیکھا

غلاف کعبہ میں جس نور کا لمعہ چھپا دیکھا
مدینے میں وہی چشم یقیں نے برملا دیکھا

خرام با سعادت کو کمالِ رہبری پایا
چراغِ نقش پا کو گمرہوں کا رہنما دیکھا

شبِ معراج یا رب کس تجمل کی سواری تھی
ملائک میں بہم یہ شور تھا صل علیٰ دیکھا

قبائے گل میں بوئے جاں فزائے جسم اطہر ہے
ہیولائے چمن نیرنگیِ باد صبا دیکھا

رہ رشد و ہدیٰ شہر رسول اللہ کو پایا
نبی کے آستاں کو مطلع نور و ضیا دیکھا

سید غلام محمد شاہ "گدا" (سندھ)

(۱۲۵۳ھ — ۱۳۲۲ھ)

ختم ہے تجھ پہ نبوت اے شہ مطلبی
تیرے محتاج ہیں سب شاہ و گدا شیخ و نبی
ہے مجھے تیری ثنا سے ہی صفائے قلبی
مرحبا، سید مکی مدنی العربی
دل و جاں بعد فدایت چہ عجب خوش لقبی

سیدا مجھ کو تری ذات مقدس کی قسم
واسطے تیرے بنے ارض و سما، لوح و قلم
نور تیرے سے منور ہوئے دونوں عالم
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بو العجبی

ذات اطہر سے شفا خواہ ہیں پیر و نبی
ہے شفاعت کی قبا جسم مطہر پہ بھی
مثل قدسی کے ہے کہتا یہ گدا تشنہ لبی
سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو "قدسی" پے درماں طلبی

سید غلام محمد شاہ گدا کے والد کا نام حسن علی شاہ تھا۔ مشہدی سادات تھے۔ کلہوڑا حکمرانوں کے دور میں ان کا خاندان سندھ کے شہر خدا آباد میں آ بسا اور تالپور امیروں کے عہد میں حیدرآباد میں سکونت اختیار کی۔ گدا حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ آخوند احمد بن عبدالعلیم ماونی سے تعلیم حاصل کی اور شاعری میں محمد روشن حیدرآبادی سے اصلاح لی۔ گدا، فارسی، سندھی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ عبدالحسین سانگی نے گدا کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا اور انعام و اکرام سے بھی نوازتے رہے۔ سانگی نے گدا کو اردو کا آتش قرار دیا ہے۔ گدا دو بار دہلی بھی گئے اور اکثر اردو شعرا کی محفلوں میں شرکت کی۔ وہ آتش اور ناسخ سے بہت متاثر تھے۔ "کلیات گدا" سندھی ادبی بورڈ نے سنہ ۱۹۵۷ع میں شائع کی ہے۔

نواب مرزا خاں — داغ دہلوی

(۱۲۴۶ھ - ۱۳۲۲ھ)

تو جو اللہ کا محبوب ہوا، خوب ہوا
یا نبی خوب ہوا، خوب ہوا، خوب ہوا

اے شہنشاہِ رُسل، فخر رُسل، ختم رُسل
خوب سے خوب، خوش اسلوب ہوا، خوب ہوا

حسن یوسف میں ترا نور تھا اے نور خدا
چارہ دیدۂ یعقوب ہوا، خوب ہوا

فخر آدم کو نہ ہوتا جو فرشتہ ہوتا
بنی آدم سے جو منسوب ہوا، خوب ہوا

حشر میں امتِ عاصی کا ٹھکانہ ہی نہ تھا
بخشوانا تجھے مرغوب ہوا، خوب ہوا

داغ ہے روز قیامت مری شرم اس کے ہاتھ
میں گناہوں سے جو محجوب ہوا، خوب ہوا

نواب مرزا خاں "داغ" سنہ ۱۸۳۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ نے مرزا محمد سلطان عرف مرزا فخرو خلف بہادر شاہ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ داغ بھی ان کے ساتھ لال قلعہ میں رہنے لگے۔ وہیں تعلیم و تربیت ہوئی۔ شاعری میں وہ بھی استاد ذوق سے اصلاح لینے لگے۔ غدر میں لاہور چلے آئے۔ پھر دہلی گئے اور بعد میں حیدرآباد دکن چلے آئے اور کچھ عرصہ بعد شاہ دکن نواب محبوب علی کے استاد مقرر ہو گئے۔ بادشاہ نے انہیں "مقرب السلطان، بلبل ہندوستان، جہاں استاد ناظم یار جنگ دبیرالدولہ فصیح الملک" کا خطاب دیا۔ داغ کی تصانیف میں گلزار داغ، آفتاب داغ، مہتاب داغ، یادگار داغ اور ایک مثنوی فریاد داغ کے علاوہ چند قصائد، ایک شہر آشوب قابلِ ذکر ہیں۔

محسن کاکوروی

(۱۲۴۲ھ — ۱۳۲۳ھ)

جان و دل مرسلیں محمدؐ
روح روح الامیں محمدؐ

گنجینۂ اصطفا محمدؐ
آئینۂ حق نما محمدؐ

نازل ہے زمیں پہ کبریائی
بندے کے لباس میں خدائی

اس وقت دیار میں عرب کے
مطلع سے تجلیاتِ رب کے

کعبہ کی زمین نامور سے
اور عبدالمطلب کے گھر سے

اسلام کا آفتاب چمکا
بے پردہ و بے نقاب چمکا

پیدا ہوئے سرورِ دو عالم
پیدا ہوئے فخر نوح و آدم

شاہنشہ اصفیا محمدؐ
تاجِ سر انبیا محمدؐ

محسن کاکوروی اردو کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے نعت گوئی کے فن میں ایک منفرد مقام حاصل کیا ہے اور موضوعات کی جدت سے اس قدیم صنف سخن کو جدید بنا دیا۔ محسن کا دوسرا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اسکی فضا کو مقامیت سے ہم کنار کیا۔ خاص طور سے اُن کا نعتیہ قصیدہ "مدیح خیرالمرسلیں" (قصیدۂ لامیہ) اپنے انداز کا ایک بالکل ہی نیا قصیدہ ہے۔ اس قصیدے میں محسن کاکوروی نے خاص انداز کی غزلیں بھی شامل کی ہیں۔ کلیات محسن میں اس کے علاوہ چار قصیدے اور ہیں، گلدستۂ رحمت، ابیات نعت، نظم دل افروز اور انیس آخرت۔ محسن نے نعت کے موضوع پر جو مثنویاں لکھی ہیں اُن میں "صبح تجلی" اور "چراغ کعبہ" بھی خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کے علاوہ محسن کے خمسے، غزلیں اور رباعیات بھی نعت نگاری کی اعلیٰ مثالیں ہیں۔

میاں داد خاں سیاح

(۱۸۳۰ء - ۱۹۰۷ء)

دریوزہ گر نہیں ہوں کسی کی جناب کا
ساجد ہوں آستانِ رسالت مآب کا

اس پر کبھی نہ رحمتِ پروردگار ہو
مورد بنے اگر کوئی تیرے عتاب کا

آنسو گرائے یاد میں اسکی اگر تو پھر
کوثر سے رتبہ کم نہیں چشمِ پر آب کا

رونق ہے سب یہ دی ہوئی تیرے ظہور کی
کچھ بن گیا ہے رنگ، جہانِ خراب کا

ہم اسکے ہیں ــ کہیں گے نکیرین سے یہی
مر کر کسے دماغ سوال و جواب کا

جب دل سے پڑھ لیا کلمے کو ترے تو پھر
ترساں گناہ سے ہوں نہ خواہاں ثواب کا

میاں داد خاں سیاح کا اصل وطن اورنگ آباد تھا۔ والد کا نام عبداللہ خاں تھا۔ سیاح سن شعور کو پہنچے تو خاندان کے مالی حالات خراب ہو چکے تھے چنانچہ انہوں نے ترک وطن کیا اور سورت آ گئے۔ وہ سیر و سیاحت کے شوقین تھے۔ عرب و عجم بھی گئے اور ہندوستان میں شائد ہی کوئی مقام ہو جہاں وہ نہ گئے ہوں۔ غالب سے اُن کی خط و کتابت رہتی، وہ اُن سے مشورہ سخن بھی کرتے۔ منشی نولکشور سے بھی سیاح کے اچھے مراسم تھے۔ شعرائے دہلی و لکھنؤ انہیں بہت عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ سیاح کے ساتھ ایک سانحہ بھی منسوب ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ جعلی نوٹ بھی بنایا کرتے تھے۔ ایک بار پکڑے گئے اور ۱۴ سال کی قید ہو گئی۔ جیلر اُن کے علم و فضل سے متاثر تھا اس لئے جیل میں انہیں اپنے بچوں کا اتالیق مقرر کردیا۔ اسطرح وہ قید کی سختیوں سے بچ گئے اور سنہ ۱۸۸۷ء میں ملکہ وکٹوریہ کی سلور جوبلی پر ایک مدحیہ قصیدہ لکھنے کے صلے میں رہا کردیئے گئے۔

حسن رضا خاں حسن بریلوی

(وفات ۱۳۲۶ھ)

جلوۂ یار ادھر بھی کوئی جلوہ تیرا
حسرتیں آٹھ پہر تکتی ہیں رستہ تیرا

کیوں تمنا مری مایوس ہو اے ابر کرم
سوکھے دھانوں کو مددگار ہے چھینٹا تیرا

ہائے پھر خندۂ بیجا مرے لب پر آیا
ہائے پھر بھول گیا راتوں کو رونا تیرا

اچھے اچھے ہیں ترے در کی گدائی کرتے
اونچے اونچوں میں بٹا کرتا ہے صدقا تیرا

خاص بندوں کے تصدق میں رہائی پاوے
آخر اس کام کا تو ہے یہ نکما تیرا

اے مدینے کی ہوا دل مرا افسردہ ہے
سوکھی کلیوں کو کھلا جاتا ہے جھونکا تیرا

حسن رضا خاں حسن بریلوی، مولانا احمد رضا خاں رضا بریلوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ "ذوق نعت" کے نام سے سنہ ۱۳۲۶ھ میں شائع ہوا۔ ان کا رنگ سخن وہی ہے جو ان کے بڑے بھائی کا ہے۔ زمینیں بھی زیادہ تر وہی استعمال کی ہیں۔ انداز بیان سادہ اور پر اثر ہے اور ہر نعت عشق رسول میں ڈوبی ہوئی ہے۔ حسن رضا خاں حسن بریلوی کا انتقال سنہ ۱۳۲۶ھ میں ہوا اور احمد رضا خاں رضا بریلوی کا سنہ ۱۳۴۰ھ میں۔

شبلی نعمانی

(وفات ۱۳۳۲ھ)

جب کہ آمادۂ خون ہو گئے کفار قریش
لا جرم سرور عالم نے کیا عزم سفر

کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز
گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرور

تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں نہاں
تھا جہاں عقرب و افعی کی حکومت کا اثر

بیم جاں، خوف عدو، ترک غذا، سختی راہ
ان مصائب میں ہوئی اب شب ہجرت کی سحر

یاں مدینے میں ہوا غل کہ رسول آتے ہیں
راہ میں آنکھ بچھانے لگے ارباب نظر

یاں مبارک کرے اٹھے خاک حریم نبوی
آج سے تو بھی ہوئی خاک حرم کی ہم سر

مولانا شبلی نعمانی، موضع بندول ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹ سال کی عمر میں حج کیا، کچھ عرصہ وکالت کی پھر علی گڑھ میں فارسی کے پروفیسر ہو گئے۔ اس دوران انہوں نے المامون، الفاروق اور ایک مثنوی "صبح امید" لکھی۔ سنہ ۱۸۹۲ء میں روم و شام کا سفر کیا اور اپنا سفرنامہ لکھا۔ نواب وقارالامرا کے زمانے میں حیدرآباد (دکن) میں ناظم تعلیمات کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اس دوران الغزالی، سوانح مولانا روم، الکلام، علم الکلام اور موازنہ انیس و دبیر لکھا۔

اعظم گڑھ جا کر دارالمصنفین کی بنیاد ڈالی۔ اسی زمانے میں گولی لگنے سے ایک پاؤں سے محروم ہو گئے۔ اسکے باوجود وہ سیرۃ النبی کی تکمیل میں مصروف رہے، لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔ اور سیرۃ النبی کی آخری جلد علامہ سید سلیمان ندوی نے مکمل کی۔ مولانا کی شعری تصانیف میں دیوان شبلی، مجموعۂ نظم اور دستۂ گل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

احمد حسین مائل ابوالعلائی

(وفات ۱۳۳۲ ھ)

ہے جلوہ ایک نورِ مطلق و نور مقید کا
خدا کو اُس نے دیکھا جس نے دیکھا منہ محمّد کا

جو قبلِ از حمد پہلا حرف اسمِ ذات کا آیا
تصدق جاؤں میں پورا ہوا تب نام احمّد کا

جو سب کی انتہا ٹھہری وہ تیری ابتدا ٹھہری
بنا کل انبیا کا علم مضموں تیری ابجد کا

ملاپ ایسا تو ہو، میں عاشق و معشوق کے صدقے
احد کا چہرہ احمدؐ میں، احد میں چہرہ احمدؐ کا

خدا کے نام کا نقطہ، نبی کا خالِ عارض ہے
خدا سے ایک درجہ کم ہے رتبہ آپ کے قد کا

قیامت میں قیامت کا مزہ دے جائے گا "مائل"
خدا کا بخشنا اور مسکرا دینا محمّد کا

مائل ابوالعلائی کا نام احمد حسین خاں تھا۔ نہ صرف حیدرآباد (دکن) بلکہ ہندوستان کے صف اول کے شعرا میں شمار کئے جاتے تھے۔ زندگی میں اُن کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ زبان بہت سلیس، خیالات پاکیزہ اور لہجے میں ایک خاص تیکھا پن تھا جس نے ان کی غزل کو پرکشش بنادیا تھا۔

حضرت مائل ابوالعلائی کی نعتوں میں بھی اُن کا مخصوص اسلوب نمایاں ہے۔

خواجہ الطاف حسین حالی

(۱۲۵۳ھ - ۱۳۳۳ھ)

بنے ہیں مدحتِ سلطان دو جہاں کے لیے
سخن زباں کے لیے اور زباں دہاں کے لیے

وہ شاہ جس کا عدو، جیتے جی جہنم میں
عداوت اس کی، عذاب الیم جاں کے لیے

وہ پھول جس سے ہوئی سعی باغباں مشکور
رہی نہ آمدورفت چمن، خزاں کے لیے

نہ حرف وصوت میں وسعت، نہ کام و لب میں سکت
حقیقتِ شبِ معراج کے بیاں کے لیے

سمایا اس کا جو نقش قدم تصور میں
ہجوم شوق میں بوسے کہاں کہاں کے لیے

حریفِ نعت پیمبر نہیں سخن حالی
کہاں سے لائیے اعجاز اس بیاں کے لیے

مولانا حالی ابھی چھوٹے ہی تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا، چنانچہ ان کی تعلیم و تربیت بھائی بہنوں کے زیر سایہ ہوئی - پہلے قرآن مجید حفظ کیا، پھر فارسی و عربی کی باضابطہ تعلیم حاصل کی - ۱۸۵۴ء میں دہلی آئے، سنہ ۱۸۵۶ء میں ملازمت اختیار کی مگر غدر کے ہنگاموں کی وجہ سے لوٹ آئے - حالی نے نواب شیفتہ سے بہت فیض حاصل کیا۔ شاعری میں وہ غالب کے شاگرد تھے۔ لاہور میں ایک گورنمنٹ بک ڈپو میں ملازمت مل گئی تھی اس لیے انہیں انگریزی ادب سے بھی واقفیت کا موقع مل گیا۔ کچھ عرصہ اینگلو عربک اسکول میں بھی پڑھایا، اسی ملازمت کے دوران سر سید کی سفارش پر سر آسمان جاہ نے حالی کے لیے وظیفہ مقرر کردیا۔ حالی کی نثری تصانیف میں حیات جاویدہ، حیات سعدی، یادگار غالب، اور مقدمہ شعر و شاعری بہت اہم ہیں۔ شعری تصانیف میں غزلوں اور نظموں کے علاوہ مسدس کو بھی ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

محمد اسماعیل میرٹھی

(وفات ۱۳۱۶ھ)

وہ اوج پیغمبری کا تارا ہوا ہے مکہ میں جلوہ آرا
کرے گا جو ماہ کو دوپارہ ہے جس کا قوسین تک گذارا
وہ امتوں کے لئے سہارا وہ جس نے اخلاق کو سنوارا
ہے زلزلے میں جہان سارا محل کسریٰ و ملک دارا
نہیں اطاعت سے اسکی چارا یہود ہو یا کوئی نصاریٰ

صلواۃ اس پر، سلام اس پر،
اور اسکے سب آلِ با صفا پر

وہ جلوہ ہے نور کبریا کا وہ صدر ہے بزم اصطفا کا
امام ہے خیل انبیا کا ہے پیشوا مسلک خدا کا
طبیب ہے شرک اور ریا کا کہ خاص بندہ ہے وہ خدا کا
ہے آئینہ صدق اور صفا کا وہ شاہ تسلیم اور رضا کا
وہ قبلہ ہر شاہ اور گدا کا وہ کعبہ ابرار و اصفیا کا

صلواۃ اس پر، سلام اس پر،
اور اسکے سب آلِ با صفا پر

مولوی اسماعیل میرٹھی ۱۶ سال کی عمر میں محکمہ تعلیمات میں ملازم ہوئے اور پینشن کی عمر تک درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ساری زندگی تصنیف وتعلیم میں گذاری ۔ انہوں نے بچوں کے لئے بھی بہت کچھ لکھا ۔ دیکھا جائے تو بچوں کے ادب میں مولوی اسماعیل میرٹھی کا نام حرف اول کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کی کلیات سنہ ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی تھی ۔ انداز بیان انتہائی سادہ اور عام فہم ہے۔

سید واحد علی وحید ھسوی

(وفات ۱۳۱۶ھ)

یا نبی جلوۂ پرنور دکھایا ہوتا
کوئی دن مجھ کو مدینے میں بلایا ہوتا

سوختہ دل ہوں کلیجہ مرا ٹھنڈا ہوتا
شجرِ روضۂ اقدس کا جو سایہ ہوتا

طائر دل مرا وحشی تھا خدایا اس کو
دام گیسوئے محمدؐ میں پھنسایا ہوتا

سرد ہوتا مرا دل آتش ہجران سے تبھی
دو گھڑی ہجرِ پیمبر میں رلایا ہوتا

رات دن روضۂ اقدس کا نظارہ کرتا
کوئی گھر رہنے کو یثرب میں جو پایا ہوتا

دید کا اس کی ہے مشتاق وحیدِ محزوں
ہند سے اس کو مدینے میں بلایا ہوتا

سید واحد علی وحید ھسوی ایسے شاعر ہیں جنہیں ادبی دنیا کم جانتی ہے۔ وحید کا وطن قصبہ ھسوا، ضلع فتح پور تھا۔

وحید ھسوی کا ایک نعتیہ دیوان ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے ذاتی کتب خانے میں ہے۔ ان کی دو عشقیہ مثنویاں "نار سوزاں" اور "نشتر غم" بھی شائع ہو چکی ہیں۔ نعتیہ دیوان کے علاوہ غزلوں کا ایک دیوان بھی ان کی یادگار ہے۔ نعتیہ دیوان میں قصیدے اور مسدس بھی ہیں جو مولانا حالی کے رنگ میں ہیں۔

شاہ احمد رضا خاں "رضا" بریلوی

(۱۲۷۲ھ — ۱۳۴۰ھ)

مولانا احمد رضا خاں رضا بریلوی کا شمار علمائے دین میں ہوتا ہے۔ شبلی، حالی، امیر مینائی اور اکبر الہ آبادی کے ہم عصر تھے۔ ان کی شاعری کا خاص موضوع سرور کونین کی ذات اقدس ہے۔ مولانا رضا بریلوی، صاحب شریعت بھی تھے اور صاحب طریقت بھی۔ دیوان "حدایق بخشش" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ انداز بیان سادہ مگر شگفتہ اور برجستہ۔ یہی وجہ ہے کہ بہت زیادہ قبولیت عوام حاصل ہوئی۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ھدایت پہ لاکھوں سلام

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبیں سعادت پہ لاکھوں سلام

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آ گیا
اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

جس کو بار دو عالم کی پروا نہیں
ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام

فتح باب نبوت پہ بے حد درود
ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام

(سید محمد علی) شاد عظیم آبادی

(۱۲۶۲ھ — ۱۳۴۵ھ)

دیباچۂ سخن ہے شۂ انبیاء کی مدح
محبوب ہے دلوں کو حبیب خدا کی مدح
طغرائے لوح عشق ہے خیرالورا کی مدح
اسلام کا نشان ہے اس پیشوا کی مدح

نعت رسول حق ہے ہماری سرشت میں
امت پہ اس کا راز کھلے گا بہشت میں

جاتے ہیں سوئے عرش بریں، خاتم رسل
لٹتے ہیں راستے میں ستاروں کے آج گل
حاضر ہیں انبیائے سلف آستاں پہ کل
ہے قدسیوں میں صل علیٰ مصطفیٰ کا غل

مہتاب رخ سوئے در دولت کئے ہوئے
استادہ کس ادب سے ہے مشعل لئے ہوئے

بے واسطہ غرض تھا وہاں، وحی کا نزول
ایسا کہاں ہوا ہے مقرب کوئی رسول
اس شب فضیلتیں جو ہوئیں آپ کو حصول
لکھوں جو مختصر بھی تو ہو انتہا کا طول

ہو آئے اتنی دیر میں طے کر کے عرش کو
گرمی بدن کی باقی تھی دیکھا جو فرش کو

شاد کا نام محمد علی تھا اور خطاب "خان بہادر"۔ شاد نے اپنے خاندانی حالات "شاد کی کہانی، شاد کی زبانی" میں تفصیل سے درج کئے ہیں، اور ان تمام ادبی ہنگاموں کا بھی ذکر کیا ہے جو ان کے اور معاصرین کے درمیان رہے۔ تصانیف تقریباً پچاس ہیں۔ ہر صنف سخن کو ذریعۂ اظہار بنایا۔ میخانۂ الہام، مجموعۂ مراثی، مجموعۂ رباعیات کے علاوہ "ظہور رحمت" اور مثنوی "مادر ہند" ان کی شعری تخلیقات ہیں۔ نثری کتب میں، تاریخ صوبۂ بہار، نوائے وطن، نقش پائدار، افسانۂ صورت الخیال، فکر بلیغ اور حیات فرہاد، منظر عام پر آ چکی ہیں۔ شاگردوں میں مرزا یاس یگانہ چنگیزی کا نام سر فہرست ہے جو اردو شاعری میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ اردو کا پہلا ناول بھی شاد عظیم آبادی ہی نے لکھا ہے۔ کلام شاد کا سب سے پہلا انتخاب حسرت موہانی نے کیا تھا۔

غلام مصطفیٰ عشقی

محامد محمدی الموصوف بہ توصیفات مصطفوی (۱۳۲۲ھ) سے انتخاب

وصف محبوب خدا کا جو رقم ہوتا ہے
سر سجدہ بے تعظیم قلم ہوتا ہے

آن کا جو بندۂ بے دام و درم ہوتا ہے
وہی سلطانِ عرب شاہ عجم ہوتا ہے

اشک افشاں جو مرا دیدۂ نم ہوتا ہے
درد و غم دل کا ذرا کچھ مرے کم ہوتا ہے

جلوہ گر دل میں جو محبوب خدا ہوتے ہیں
خانۂ دل یہ مرا بیتِ حرم ہوتا ہے

غم، غم عشق سے بہتر نہیں کوئی عشقی
روح خوش ہوتی ہے جب دل پہ یہ غم ہوتا ہے

غلام مصطفیٰ عشقی محمدآباد (بیدر) کے رہنے والے تھے اور ہمیشہ عشق الٰہی اور رسول کریم کی محبت میں گم رہتے تھے۔ عشقی نے عربی، فارسی اور اردو، تینوں زبانوں میں شعر کہے ہیں مگر آن کا موضوع سخن ہمیشہ نعت رہا ہے۔ چنانچہ نعت خواں حلقوں میں آن کا کلام بہت مقبول رہا۔ آن کے عربی سلام کے یہ اشعار میلاد کی محفلوں میں آج بھی بڑے ذوق و شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔

یا شفیع الوریٰ سلام علیک
یا نبی الهدیٰ سلام علیک
خاتم الانبیاء سلام علیک
سید الاصفیا سلام علیک

عشقی کی تصانیف میں محامد محمدی، گلدستۂ مصطفوی، اسرار الٰہی، انوار مصطفوی، الہامات غیبی، خیالات قدسی اور خزینۂ اخروی قابل ذکر ہیں۔

احقر بہاری

(وفات ۱۳۴۸ھ)

کیا خوف مجھ کو حشر میں نار سعیر کا
مداح ہوں حبیب خدائے قدیر کا

حضرت نکال لائیں گے دوزخ سے عاصیو
پکڑے گا کون ہاتھ مرے دستگیر کا

اے بادشاہ ہم کو مدینہ بلائیے
رد کیجئے سوال نہ اپنے فقیر کا

ہیں شاد اک امید پہ سارے گناہ گار
تکیہ حضور ہی پہ ہے برنا و پیر کا

یہ منزلت خدا نے تجھے دی ہے اے صنم
کیونکر نہ لب پہ شکر ہو رب قدیر کا

احقر ابولہب کا برا حال کیوں نہ ہو
انجام کب بخیر ہوا ہے شریر کا

بشارت حسین احقر بہاری، پٹنہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ شاعری کا ذوق لکھنؤ لے گیا مگر پھر واپس آگئے۔ ازل لکھنوی کے شاگرد تھے:

سب جانتے ہیں احقر شاگرد ہوں ازل کا
استاد مانتے ہیں اردو زبان والے

احقر کو آتش کے اتباع کا بہت شوق تھا۔ اکثر کلام انہیں کے رنگ میں ملتا ہے۔ احقر دکن بھی گئے تھے۔ دکن کی یاد میں بھی اکثر اشعار موجود ہیں:

فرقت میں آپ کی ہمیں غربت وطن میں ہے
یاں کالبد ہے، روح ہماری دکن میں ہے

مسجد کانپور کی شہادت اور مسلمانوں کی خوں ریزی پر ایک مسدس بھی لکھا تھا چنانچہ گرفتار کر لئے گئے اور مسدس ضبط ہو گیا۔ اب یہ مسدس کہیں نہیں ملتا۔

اکبر میرٹھی

(وفات ۱۳۴۸ھ)

صل علیٰ رسول اللہ عرش بریں کے جانے والے

بحر گنہہ میں ہوں لاچار
نیا آن پڑی منجدھار
آؤ مدد کو کھیون ہار
بیڑا پار لگانے والے
صل علیٰ رسول اللہ عرش بریں کے جانے والے

تیغ عشق سے ہوں میں گھائل
راہ عرب ہوئی ہے مشکل
چلتے چلتے منزل منزل
پڑ گئے پاؤں میں میرے چھالے
صل علیٰ رسول اللہ عرش بریں کے جانے والے

محشر بپا ہوا ہے آج
تجھ سے بنیں گے بگڑے کاج
مولا رکھیو میری لاج
کون اب تیرے سوا سنبھالے
صل علیٰ رسول اللہ عرش بریں کے جانے والے

اکبر در کا تورے فقیر
مولا کون بندھائے دھیر
انکھوں بھر بھر آوے نیر
اپنی خدمت میں بلوالے
صل علیٰ رسول اللہ عرش بریں کے جانے والے

خواجہ محمد اکبر خاں، اکبر وارثی (میرٹھی) صاحب دیوان شاعر ہیں۔ نعتیں بہت لکھی ہیں مگر اپنی کتاب "میلاد اکبر" کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے۔ اس کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں اس فن میں کتنی مہارت حاصل تھی۔ "میلاد اکبر" آج بھی عوام و خواص میں یکساں مقبول ہے بالخصوص خواتین میں یہ کتاب بڑے شوق سے پڑھی جاتی ہے۔

رسول اکرم کی شان میں اکبر کا ایک مشہور شعر ہے:

ثانی ترا کونین کی کشور میں نہیں ہے
بس حد ہے کہ سایہ بھی برابر میں نہیں ہے

اکبر وارثی کا یہ سلام تو بچے بچے کو ازبر ہے:

یا نبی سلام علیک
یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک
صلوات اللہ علیک

محمد علی جوہر

(وفات ۱۳۴۹ھ)

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لیے ہے
ہر غیب سے سامان بقا میرے لیے ہے

پیغام ملا تھا جو حسین ابن علی کو
خوش ہوں وہی پیغام قضا میرے لیے ہے

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

اے شافع محشر جو کرے تو نہ شفاعت
پھر کون وہاں تیرے سوا میرے لیے ہے

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

کیوں ایسے نبی پر نہ فدا ہوں کہ جو فرمائے
اچھے تو سبھی کے ہیں برا میرے لیے ہے

مولانا محمد علی جوہر، رامپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد علی گڑھ چلے آئے۔ پھر آکسفورڈ گئے جہاں انہوں نے بی۔ اے۔ کیا۔ واپس آکر ریاست بڑودہ میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہو گئے۔ ملازمت کے دوران ہی کلکتہ چلے گئے اور ایک اخبار "کامریڈ" جاری کیا۔ حکومت نے صدر مقام تبدیل کیا تو مولانا بھی کامریڈ کو لیکر دھلی آگئے اور عوام تک پہنچنے کے لیے ایک اردو اخبار "ھمدرد" بھی جاری کیا۔ کامریڈ میں انہوں نے لنڈن ٹائمز کے ایک مضمون کا بہت سخت جواب دیا جس پر اخبار بند کردیا گیا۔

صحافی، خطیب اور سیاستدان کے علاوہ مولانا شاعر بھی تھے۔ کئی بار جیل گئے مگر اپنے عقیدے سے منھ نہیں موڑا۔ شعری مجموعہ "کلام جوہر" شائع ہو چکا ہے۔

سید محمد بے نظیر شاہ وارثی

(۱۸۶۳ء - ۱۹۳۲ء)

نام خدا محمدؐ گردوں خرام میرا
خورشید جاں مجسم، ماہِ تمام میرا

وہ صدر عالمیں ہے، سلطان مرسلیں ہے
اس کے سوا نہیں ہے کوئی امام میرا

راہ طلب میں کب تک بھٹکوں میں مر بصحرا
کاش اس کے در پہ ہوتا اب تو مقام میرا

حالت ذرا جو بگڑی اور اسکی یاد آئی
بے وقفہ و تردد بنتا ہے کام میرا

یا رب میں اس کے در سے اٹھ کر کہیں نہ جاؤں
لکھا ہے اس سرا میں جب تک قیام میرا

عیسیٔ دہر ہوں میں اے "بے نظیر" ازل سے
لکھا ہے جانثاروں میں اس کے نام میرا

سید محمد بے نظیر شاہ اپنی ایک انوکھی مثنوی "الکلام" کی وجہ سے اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ مشاق غزل گو بھی تھے اور اکثر نظمیں بھی کہی ہیں۔ وہ ایک عالم باعمل اور صوفی منش بزرگ تھے۔ کڑا مانک پور وطن تھا لیکن زیادہ عرصہ حیدرآباد دکن میں رہے۔ ان کے والد شاہ احسان علی قادری، مولاناشاہ عبدالعزیز دہلوی کے خلیفہ تھے۔ بے نظیر شاہ کی مثنوی "الکلام" کا موضوع تصوف ہے جو انہوں نے سنہ ۱۳۰۸ھ میں اپنے مریدوں کی ہدایت کے لئے لکھی تھی۔

ریاض خیرآبادی

(۱۲۷۰ھ — ۱۳۵۳ھ)

نام کے نقش سے روشن یہ نگینہ ہو جائے
کعبۂ دل موے اللہ مدینہ ہو جائے

وہ چمک درد کی ہو دل میں کہ بجلی چمکے
دامن طور ذرا آج یہ سینہ ہو جائے

ظلمت کفر سے بڑھ کے ہے سیاہی دل میں
دور کیوں کر دلِ اغیار سے کینہ ہو جائے

اسکی تقدیر جو پامال ہو تیرے در پر
اسکی تقدیر کہ جو خاک مدینہ ہو جائے

دفن ہوں ساتھ ترے میرے گہر ہائے سخن
خاک میں مل کے نمایاں یہ دفینہ ہو جائے

جان کی طرح تمنا ہے یہی دل میں ریاض
مروں کعبہ میں تو منہ سوئے مدینہ ہوجائے

ریاض خیرآبادی کے والد کا نام سید طفیل احمد تھا۔ ابتدائی تعلیم انہیں سے حاصل کی۔ شاعری میں پہلے اسیر اور بعد میں امیر مینائی سے اصلاح لی۔ خیرآباد سے ایک اخبار "ریاض الاخبار" نکالا، پھر اسے گورکھپور منتقل کردیا۔ مجموعۂ کلام "ریاض رضواں" ان کے انتقال کے بعد شائع ہوا۔ ان کے عمومی رنگ کلام سے ادب کا ہر طالب علم واقف ہے۔ انہوں نے ہر بات "بادہ و ساغر" کی معرفت کہی ہے لیکن ساری زندگی شراب کو کبھی منہ نہیں لگایا۔ نعتیہ کلام قطعی مختلف رنگ میں ہے۔

مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی

(وفات ۱۳۵۴ھ)

بزم توحید سے تبلیغ کا نام آیا
کوئی پہنے ہوئے قرآن کا جامہ آیا

جس نے اسلام کے پیچیدہ مطالب کھولے
سر پہ باندھے وہ فضیلت کا عمامہ آیا

چشم و مژگاں سے لکھے اس نے ہزاروں دفتر
جس کے مکتب میں دوات آئی نہ خامہ آیا

شور تکبیر سے صحرائے عرب کانپ اٹھا
اس جلالت سے سوئے اہل تہامہ آیا

کپکپی جسم میں، دل منزل اجلال خدا
لے کے یوں کوہ حرا سے کوئی نامہ آیا

عزیز لکھنوی کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا، لیکن انہوں نے تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھا۔ اساتذہ کے دواوین کا گہری نظر سے مطالعہ کیا، اس سے اُن کی شاعری میں نکھار اور خود اعتمادی پیدا ہوئی۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہے۔ فارسی میں حافظ، عرفی اور نظیری کے مداح تھے۔ عزیز کا مجموعۂ کلام "گلکدہ" اور "قصائد عزیز" اُن کے مخصوص رنگ سخن کے عکاس ہیں۔

قیس آروی

(۱۲۸۰ھ – ۱۳۵۴ھ)

جو کوئی دل‌دادہ محبوب خدا کا ہوگیا
حق یہ ہے اللہ کا وہ خاص بندہ ہوگیا

تشنہ کامانِ شفاعت کی یہ قسمت دیکھئے
زندگی دوبھر ہوئی، آسان مرنا ہوگیا

سر سے لیکر پاؤں تک رحمت ہی رحمت آپ تھے
آنکھ جس پر پڑگئی گویا فرشتہ ہوگیا

دشمنوں کے روکے رکتا جوش کیا اسلام کا
قطرہ قطرہ بڑھتے بڑھتے ایک دریا ہوگیا

گرمیٔ خورشیدِ محشر سے وہ کیوں بےڈر نہ ہو
جس کے سر پر آپ کے دامن کا سایہ ہوگیا

دیکھوں ہوتی ہے مدینے کی زیارت کب نصیب
میں اسی ارمان، اسی حسرت میں بوڑھا ہوگیا

جوشِ حبِ مصطفیٰ نے اسقدر بخشا شرف
قیس کے دیوان کا ہر شعر اچھوتا ہوگیا

قیس کا نام سید محمد ضمیرالحق اور کنیت ابوالخیر تھی۔ محلہ چوک آرا، ضلع شاہ‌آباد کے رہنے والے تھے۔ خاندانِ سادات سے تھے۔ ننہالی سلسلہ حضرت خواجہ معین‌الدین حسن سنجری چشتی رحمہ سے ملتا ہے۔ فارسی اور عربی علوم حافظ محمد عبداللہ غازی پوری اور فخرالمحدثین حضرت مولانا سید نذیر حسین سے حاصل کئے۔ علم طب حکیم محمد عبدالسلام دہلوی سے سیکھا۔ شاعری میں شمشاد لکھنوی کے شاگرد تھے۔ غزل کے مضامین عموماً عارفانہ ہوتے تھے۔

اصغر گونڈوی

(وفات ۱۳۵۵ھ)

کچھ اور عشق کا حاصل نہ عشق کا مقصود
جز ایں کہ لطفِ خلش ہائے نالۂ بے سود

یہ کون سامنے ہے، صاف کہہ نہیں سکتے
بڑے غضب کی ہے نیرنگیِ طلسم نمود

وہ رازِ خلعتِ ہستی، وہ معنیِ کونین
وہ جانِ حسنِ ازل، وہ بہارِ صبحِ وجود

وہ آفتابِ حرم، نازنینِ کنجِ حرا
وہ دل کا نور، وہ اربابِ درد کا مقصود

ضیائے حسن کا ادنیٰ سا یہ کرشمہ ہے
چمک گئی ہے شبستانِ غیب و بزمِ شہود

وہ مستِ شاہدِ رعنا، نگاہِ سحر طراز
وہ جامِ نیم شبی، نرگسِ خمار آلود

کچھ ادا سے مرا اس نے مدعا پوچھا
ڈھلک پڑا مری آنکھوں سے گوہرِ مقصود

اصغر حسین اصغر گونڈوی کا اصل وطن گورکھپور تھا مگر بسلسلۂ ملازمت گونڈہ میں رہنے کی وجہ سے گونڈوی مشہور ہو گئے۔ ابتدا میں وجد بلگرامی کو اپنا کلام دکھایا پھر امیر اللہ تسلیم سے اصلاح لینے لگے۔ اصغر کو قاضی شاہ عبدالغنی سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔ عرصے تک ہندوستانی اکیڈیمی کے رسالے "ہندوستانی" کے ایڈیٹر رہے۔ ان کا محبوب موضوع تصوف ہے۔ ان کے دو مجموعۂ کلام ہیں جن میں "نشاط روح" بہت مقبول ہوا۔ حضرت جگر مرادآبادی کو حضرت اصغر سے خاص عقیدت تھی۔

علامہ اقبال

(۱۲۹۶ھ — ۱۳۵۷ھ)

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، مرا سجود بھی حجاب

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

علامہ اقبال اس صدی کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ اس اعتبار سے ان کا مرتبہ اور بھی بلند ہے کہ اردو شاعری ان کی وساطت سے پہلی بار مغربی فکر سے شعوری طور پر آشنا ہوئی۔ علامہ اقبال نے مغربی مفکرین کو صرف پڑھا نہیں بلکہ ان کے افکار کا تجزیہ بھی کیا ہے، اور مشرق کے زندہ افکار کی کسوٹی پر پرکھ کر ایک نتیجہ اخذ کیا۔ اُن کی فکر ایک ناقد کی فکر ہے اور اُن کی شاعری علم و دانش کی شاعری ہے۔

علامہ اقبال نے ابتدا میں داغ سے اصلاح لی، پھر غالب کی تقلید میں کہنے لگے، مگر بہت جلد اپنا ایک مخصوص لہجہ اختیار کرلیا۔ ان کا زیادہ تر کلام فارسی میں ہے، اردو میں صرف تین مجموعے اور ارمغان حجاز کا کچھ حصہ ہے جو ان کے انتقال کے بعد شائع ہوا۔

سید اعظم علی شائق

(وفات ۱۳۵۷ھ)

کھینچی تری امت کی تا حشر ھری نکلی
جو شاخ شجر پھوٹی پھولوں سے بھری نکلی

جب گلشن طیبہ سے باد سحری نکلی
خوشبو میں دلہن بن کر کیا بھاگ بھری نکلی

لو چشم محمّد کی کافی ھے مسیحائی
بیماروں کی قسمت سے کیا چارہ گری نکلی

مشہور مدینے میں، میں ھو گیا دیوانہ
کیا چیز محبت میں شوریدہ سری نکلی

محشر میں مرے دل سے چمکی جو تری صورت
شور اٹھا فرشتوں میں شیشے سے پری نکلی

طیبہ میں پہنچ جائے یا رب وہ دھواں بن کر
سینے سے جو شائق کے آہ جگری نکلی

میر اعظم علی خاں شائق، مائل کے شاگرد تھے اور محبوب نوازالدولہ کے نواسے تھے۔ عربی اور فارسی کے ماھر تھے اور ھر صنف سخن کے شاعر تھے، لیکن نعت گوئی کی وجہ سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ حیدرآباد دکن میں ان سے بہتر نعت گو پیدا نہیں ھوا۔ کلام شائع ھو چکا ھے اور آج تک مقبول خاص و عام ھے۔

عبدالباری آسی (لکھنوی)

(وفات ۱۳۵۹ھ)

وہی ہیں طاہر وہی مطہر وہی ہیں شافع وہی پیمبر
وہ سب سے افضل وہ سب سے بالا وہ سب کے رہبر وہ سب سے برتر
تحیت ان پر، درود ان پر، صلواۃ ان پر، سلام ان پر

شفیق سب کے ادیب سب کے انیس سب کے خلیل سب کے
رفیق سب کے حبیب سب کے رئیس سب کے کفیل سب کے
تحیت ان پر، درود ان پر، صلواۃ ان پر، سلام ان پر

ملا نہ اب یہ ملے گا درجہ، ہوا ہے ایسا نہ کوئی ہوگا
اسی سے ظاہر ہے ان کا رتبہ کہ خود ثنا گو ہے حق تعالیٰ
تحیت ان پر، درود ان پر، صلواۃ ان پر، سلام ان پر

وہ ساتھ شمع ہدیٰ جو لائے تو بت ہوئے خیرہ سر جھکائے
چراغ ملت کے یوں جلائے کہ ذرے دنیا کے جگمگائے
تحیت ان پر، درود ان پر، صلواۃ ان پر، سلام ان پر

مولانا آسی شارح غالب بھی تھے اور کئی ایسی کتابوں کے مرتب بھی جو مطبع نولکشور سے شائع ہو کر ہمارے ادب کا محفوظ سرمایہ بن گئیں۔ نقوش کے شخصیات نمبر میں شوکت تھانوی نے مولانا آسی کا ذکر اپنے مخصوص انداز میں کیا ہے:

"کلیات میر، کلیات نظیر اکبر آبادی، دیوان خواجہ میر درد اور بے شمار ایسی کتابیں آپ ہی کے اہتمام میں نولکشور کے مطبع سے نکل رہی ہیں اور آپ ہیں کہ کبھی آرگس کے قلمی نام سے غالب کے خلاف ایک چونکا دینے والا مضمون لکھ دیتے ہیں، کبھی یہ شوشہ چھوڑ دیتے ہیں کہ رباعیات عمر خیام، عمر خیام کی تھیں ہی نہیں۔ کبھی کسی ہم عصر سے چوٹیں چل رہی ہیں، کبھی شاگردوں کو اکھاڑے میں زور کرا رہے ہیں۔ اکثر یہ بھی ہوا کہ دماغ کی بہترین کاوش تبرک بن کر شاگردوں میں بٹ گئی ارر خود مولانا نہایت پھس پھسی غزل پڑھ کر آگئے۔"

احسن مارہروی

(۱۲۹۳ھ - ۱۳۵۹ھ)

پیاسا ہے جو دیدار رسولِ عربی کا
کیا خوف قیامت میں اُسے تشنہ لبی کا

تو احمد و محمود و محمد ہے بلاشک
شہرہ ہے فرشتوں میں تری خوش لقبی کا

دشمن بھی ہیں مداح شہنشاہِ رسالت
ادنیٰ سا یہ اعجاز ہے اخلاق نبی کا

حسرت ہے کہ طیبہ کو چلی جاتی ہے دنیا
ہوتا نہیں کیوں حکم ہماری طلبی کا

مداح ہوں، محتاج ہوں، بندہ ہوں، گدا ہوں
مکی، مدنی، ہاشمی و مطلبی کا

اللہ کے بندوں میں ہے احسن وہی محبوب
آئینِ محبت میں جو بندہ ہے نبی کا

مولانا احسن مارہروی کا نام سید علی احسن تھا۔ عربی اور فارسی کے ماہر تھے۔ بیس سال کی عمر میں ایک شعری گلدستہ "ریاض سخن" کے نام سے ماہانہ نکالتے تھے۔ بعد میں اسی کا نام "ریاض خلیل" کر دیا گیا۔ تلاش معاش میں کچھ عرصہ حیدرآباد دکن رہے، پھر لاہور چلے آئے، لالہ سری رام مولف خم خانہ جاوید کے پاس بھی کچھ عرصے ملازمت کی، پھر مطبع مفید عام سے متعلق ہو گئے۔ لاہور سے ایک رسالہ "فصیح الملک" کے نام سے جاری کیا، پھر واپس مارہرہ چلے گئے۔ احسن، داغ کے شاگرد تھے۔ تصانیف میں فصیح اللغات، تاریخ نثر اردو، کارنامہ غم، تحفہ احسن، چپ کی فریاد، اردو لشکر اور شاہکار عثمانی کے علاوہ جلوۂ داغ اور منتخبات داغ مرتب کئے۔

آغا شاعر قزلباش دہلوی

(وفات سنہ ۱۳۵۹ھ)

آغاصاحب کا نام آغا مظفربیگ قزلباش تھا۔ داغ کے شاگرد تھے۔ مگر صرف شاعر نہ تھے، آپ نے کئی ڈرامے اور ناول بھی لکھے جن میں قتل بےنظیر، آویزۂ گوش اور دامن مریم زیادہ مشہور ہیں۔

آغا شاعر نے رباعیات عمرخیام کا منظوم ترجمہ بھی کیا، لیکن ان کا سب سے بڑا کمال قرآن مجید کا منظوم ترجمہ ہے۔ آغاصاحب کا پہلا دیوان "تیر و نشتر" سنہ ۱۹۰۶ء میں شائع ہوا تھا۔ بسلسلہ معاش حیدرآباد دکن گئے تو مہاراجا سر کشن پرشاد کے مصاحب خاص ہو گئے، اور کلکتہ گئے تو مختلف ناٹک کمپنیوں کے لئے ڈرامے لکھے۔ آغاحشر کاشمیری نے انہیں کی نسبت سے اپنے نام کے ساتھ آغا لکھنا شروع کیا تھا۔ پروفیسر مجتبیٰ حسن نے آغاصاحب کی شاعری اور فن پر ایک مسبوط کتاب لکھی ہے۔ مشہور شاعرہ سحاب قزلباش، آغا شاعر ہی کی صاحبزادی ہیں۔

اعجاز میں اعجازِ دوبالا ہوا پیدا
بل کھائے ہوئے گیسوؤں والا ہوا پیدا
دنیا کے حسینوں میں نرالا ہوا پیدا
محبوب خدا سید والا ہوا پیدا
ہنگام عرق، ہر بن مو عطر فشاں تھا
سایہ نہیں جس کا وہی خورشید عیاں تھا

وہ حسن صبیحی میں ملاحت کا تلاطم
وہ چشم میں، پنجۂ مژگاں سرِ مردم
وہ لذت گفتار وہ انداز تکلم
وہ شان تقدس وہ حکیمانہ تبسم
غنچوں میں وہ بےساختگی آ نہیں سکتی
ہنستی تو ہیں کلیاں وہ ہنسی آ نہیں سکتی

سب بدعتیں زائل ہوئیں اس یمن قدم سے
کاہن ہوئے مجبور فرشتوں کی رقم سے
پھیلی یہ ضیا سید لولاک کے دم سے
ہر سحر نے حاصل کیا ہستی کو عدم سے
حق یہ ہے، یہ عزت نہیں پائی تھی کسی نے
اونچا کیا کعبہ کو رسولِ عربی نے

اکبر الہ آبادی

(وفات سنہ ۱۳۶۰ھ)

یہ جلوۂ حق سبحان اللہ، یہ نور ھدایت کیا کہنا
جبریل بھی ھیں شیدا اُن کے، یہ شانِ نبوت کیا کہنا

وہ کفر کی ظلمت دور ہوئی اور محفل دین پرنور ہوئی
یہ مہر ھدیٰ سبحان اللہ، یہ صبح سعادت کیا کہنا

جس دل میں ہو پرتو کرسی و عرش، اس دل کی بلندی صلِ علیٰ
جس سینے میں قرآں اترا ہو، اس سینے کی عظمت کیا کہنا

تسبیح سے دنیا گونج اٹھی، تکبیر کا غل تا عرش گیا
تاثیر ہدایت صل علیٰ، یہ جوش عبادت کیا کہنا

نغمہ ھے ترا دلکش اکبر، مضموں ھے ترا پاکیزہ تر
بلبل کے ترانے صل علیٰ، پھولوں کی لطافت کیا کہنا

اکبر الہ آبادی کا نام سید اکبر حسین رضوی تھا۔ سنہ ۱۸۴۶ء میں پیدا ھوئے، سنہ ۱۸۶۶ء میں نائب تحصیلدار ھوئے، سنہ ۱۸۷۰ء میں ھائی کورٹ میں مثل خوانی کی جگہ ملی، سنہ ۱۸۷۲ء سے سنہ ۱۸۸۸ء تک وکالت کی۔ سنہ ۱۸۹۴ء تک سب آرڈنیٹ جج اور اسکے بعد عدالت خفیفہ کے منصف ھوگئے۔ حکومت وقت نے "خان بہادر" کا خطاب دیا۔ لیکن اکبر کی شہرت سرکاری خدمات میں نہیں بلکہ بحیثیت شاعر اُن کے انداز بیان میں پوشیدہ ھے۔ ان کی شاعری کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا گیا ھے۔ پورا کلام تین کلیات پر مشتمل ھے۔ طنزیہ ظرافت میں اکبر کا کوئی ثانی نہیں۔ وہ مخصوص عقائد کے شاعر تھے۔ ساری عمر مغربی تہذیب کے خلاف رہے۔

نواب بہادر یار جنگ خلق

(۱۹۰۶ء — ۱۹۴۴ء)

بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ نواب بہادر یار جنگ ایک بڑے خطیب اور سیاستداں ہی نہیں بلکہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے، نسلاً سدوزئی پٹھان تھے۔ والد کا نام نواب نصیر یار جنگ تھا۔ سیاسی نقطۂ نظر سے سامراج دشمن تھے اور جاگیرداری کو مسلمانوں کے لئے ایک لعنت سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حیدرآباد دکن کے جاگیردار آپ کے دشمن ہوگئے اور جب آپ نے خطاب لوٹا دیا تو نواب اور جاگیردار آپ کی جان کے درپے رہنے لگے۔ گمان غالب ہے کہ آپ کا انتقال بھی انہیں کی سازش سے ہوا۔ حیدرآباد دکن میں آپ ہی نے مجلس اتحادالمسلمین کی بنیاد ڈالی اور قیام پاکستان کی جدوجہد میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ قائد اعظم کو آپ پر بہت ناز تھا۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں قرار دادِ پاکستان کے اجلاس میں آپ نے جو تقریر کی تھی وہ آج تک لوگوں کو یاد ہے۔

اے کہ ترے وجود پر، خالقِ دو جہاں کو ناز ہے
اے کہ تیرا وجود ہے، وجہِ وجودِ کائنات

اے کہ تیرا سر نیاز حدِ کمالِ بندگی
اے کہ تیرا مقام، عشق قربِ تمامِ عین ذات

خوگر بندگی جو تھے تیرے طفیل میں ہوئے
مالکِ مصر و کاشغر وارثِ دجلہ و فرات

ترے بیاں سے کھل گئیں تیرے عمل سے حل ہوئیں
منطقیوں کی الجھنیں، فلسفیوں کی مشکلات

مدحتِ شاہِ دو سرا مجھ سے بیاں ہو کس طرح
تنگ میرے تصورات، پست میرے تخیلات

بیدم وارثی

(وفات ۱۳۶۳ھ)

دی خبر اب تو مری بے خبری نے مجھ کو
یاد فرمایا ہے طیبہ میں نبی نے مجھ کو

کچھ تو للہ مرے وقت مصیبت کام آ
جذبۂ دل تو ہی پہنچادے مدینے مجھ کو

پھروں بیٹھا بھی کرتا ہوں صبا سے باتیں
کہ بلایا ہے قریشی لقبی نے مجھ کو

اپنے وارث کو میں دیتا ہوں دعائیں بیدم
جس نے سکھلائے محبت کے قرینے مجھ کو

حضرت بیدم وارثی کے بارے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں: "قبول عام کے لحاظ سے وہ اردو کے دوسرے نظیر اکبر آبادی ہیں۔ نظیر اکبر آبادی انسان کی خارجی زندگی اور اس کے ماحول کی ترجمانی کے سبب شہرت رکھتے ہیں۔ بیدم وارثی کو انسان کی داخلی زندگی کی عکاسی اور اس کے عشقیہ جذبات کی ترجمانی میں کمال حاصل ہے۔ نظیر کے ہاں جگ بیتی کا لطف ہے، بیدم وارثی نے جو کچھ کہا ہے، آپ بیتی بنا کر کہا ہے"۔

بیدم وارثی کا مجموعۂ کلام "مصحف بیدم" نعت وسلام سے مزین ہے۔ قوالی کی محفلوں میں ان کا نعتیہ کلام بڑے ذوق و شوق سے پڑھا اور سنا جاتا ہے۔

سائل دہلوی

(وفات ۱۳۶۴ھ)

کب تک رہے سینے میں تمنائے مدینہ
کب تک دلِ بے تاب کھیے ہائے مدینہ

مرجاؤں مدینے میں، مدینے میں لحد ہو
لے جاؤں لحد میں، میں تمنائے مدینہ

آ بیٹھو مرے دل میں کہ دل عرشِ بریں ہے
تم چاہو تو سینہ مرا بن جائے مدینہ

یارب مرے دل میں رہے یثرب کی تمنا
یارب مرے سر میں رہے سودائے مدینہ

اے چشمِ تصور تجھے اتنا ہی بہت ہے
گھر بیٹھے نظر میں مری آجائے مدینہ

سائل کی تمنا ہے شب و روز، الٰہی
ہردم مرے دل میں رہے سودائے مدینہ

سائل دہلوی کا نام سراج الدین احمد خاں تھا۔ سنہ ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۹۴۵ء میں وفات پائی۔ سائل داغ کے شاگرد بھی تھے اور داماد بھی۔ پر گوئی کا عالم یہ تھا کہ مشکل سے مشکل زمین میں آسانی سے شعر لکھ دیا کرتے تھے۔ محاورات پر کامل عبور تھا۔ مومن کی طرح سائل نے بھی اپنے تخلص سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ کلام میں شوخی اور لطافت کے ساتھ ساتھ شگفتگی اور انبساط کی ایک لہر بھی نمایاں طور پر ان کے کلام میں نظر آتی ہے۔ اپنے بارے میں کہتے ہیں:

ظہیر و ارشدوغالب کا ہوں جگر گوشہ
جناب داغ کا تلمیذ و یادگار ہوں میں

سہیل اعظم گڑھی

(وفات ۱۳۶۵ھ)

احمد مرسل، فخر دو عالم، صلی اللہ علیہ وسلم
مظہر اول، مرسل خاتم، صلی اللہ علیہ وسلم

وہم کی ہر زنجیر کو توڑا، رشتہ ایک خدا سے جوڑا
شرک کی محفل کردی برہم، صلی اللہ علیہ وسلم

کفر کی ظلمت جس نے مٹائی، دین کی دولت جس نے لٹائی
لہرایا توحید کا پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم

بچھڑے ہوؤں کو گلے ملایا، نسل و وطن کا فرق مٹایا
رہ نہ گیا کچھ تفرقہ باہم، صلی اللہ علیہ وسلم

راہ میں کانٹے جس نے بچھائے، گالی دی، پتھر برسائے
اس پر چھڑکی پیار کی شبنم، صلی اللہ علیہ وسلم

سم کے عوض داروئے شفا دی، طعن سنے اور نیک دعا دی
زخم سہے اور بخشا مرہم، صلی اللہ علیہ وسلم

قبلہ نمائے سجدہ گذاراں، شعلۂ سینا، جلوۂ فاراں
صبح بہاراں جس کا مقدم، صلی اللہ علیہ وسلم

اقبال سہیل اعظم گڑھی کا ابتدائی نام ابوُمظفر حامد تھا۔ نوجوانی میں وہ تخلص بھی "حامد" کرتے تھے۔ اس زمانے کا ایک شعر ہے:

عندلیب گلشن فردوس ہستم حامدا
مدح خوانی نبی کاراست، وطوبیٰ جائے من

ان کے بچپن کا ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ والد کسی مسئلہ میں فکرمند تھے زبان پر بے ساختہ یہ مصرعہ آگیا:

ترحم علیٰ حالیا یا الٰہی

اقبال سہیل نے فوری مصرع لگادیا:

طفیلِ جنابِ رسالت پناہی

اقبال سہیل کے اکثر نعتیہ قصیدے خیال آفرینی اور شیرینیِ بیان کے لحاظ سے اعلیٰ فارسی قصیدوں کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

جلیل مانک پوری

(وفات ۱۳۶۵ھ)

جلیل مانک پوری کا نام جلیل حسن تھا۔ ۲۰ برس کی عمر میں امیر مینائی کے شاگرد ہوئے۔ عرصۂ دراز تک دفتر "امیراللغات" کے سکریٹری رہے پھر اپنے استاد کے ساتھ دکن گئے اور وھیں رہنے لگے۔ حکومت نظام نے ان کو "فصاحت جنگ" کا خطاب دیا۔ سلطان وقت کے استاد مقرر ہوئے۔ آپ کا مجموعۂ کلام "تاج سخن" کے نام سے شایع ہوا ہے۔

کہا جاتا ھے کہ سلطان‌العلوم تاجدار دکن میر عثمان علی خاں کا اکثر کلام جلیل مانک پوری ھی کا کہا ہوا ھے۔ بہرحال ان کی اپنی شاعری اپنا ایک خاص انداز بیان رکھتی ھے۔ امیر مینائی کی طرح شوخی اور سادگی، مترنم الفاظ اور عام فہم خیالات جلیل کی شاعری میں بھی نظر آتے ھیں مگر ان کے ھاں تغزل، امیر مینائی سے زیادہ ھے۔

محمّد قبلۂ ہر دو جہاں ھے، کعبۂ جاں ھے
انیس بے‌کساں ھے، چارہ ساز درد منداں ھے

زھے تقدیر امت کی کہ وہ پیارا نبی پایا
یتیموں کا جو وارث ھے جو ملجائے غریباں ھے

خیال مصطفیٰ کو لے کے جاتا ھوں میں محشر میں
نہ طاعت ھے نہ تقویٰ ھے، یہی بخشش کا ساماں ھے

مرا منہ کیا جو میں دعویٰ کروں اسکی محبت کا
خدا جس کا ثنا خواں ھے، خدائی جس پہ قرباں ھے

بھٹک سکتا نہیں کوئی تمہاری پیروی کر کے
کہ جو نقشِ قدم ھے وہ چراغِ راہ ایماں ھے

بہ حق احمّد و آل محمّد بخش دے مجھ کو
جلیل خستہ، یا رب مغفرت کا تجھ سے خواھاں ھے

اختر شیرانی

(۱۹۰۵ء — ۱۹۴۸ء)

اگر اے نسیم سحر ہو گذر ترا دیار حجاز میں
مری چشم تر کا سلام کہنا حضور بندہ نواز میں

تمہیں حدِ عقل نہ پا سکی، فقط اتنا حال بتا سکی
کہ تم ایک جلوۂ راز تھے جو نہاں تھا رنگ مجاز میں

نہ جہاں میں راحتِ جاں ملی نہ متاعِ امن و اماں ملی
جو دوائے درد نہاں ملی تو ملی بہشتِ حجاز میں

عجب اک سرور سا چھا گیا، مری روح و دل میں سما گیا
ترا نام ناز سے آگیا مرے لب پہ جب بھی نماز میں

کروں نذر نغمۂ جاں فزا، میں کہاں سے اختر بے نوا
کہ سوائے نالۂ دل نہیں مرے دل کے غمزدہ ساز میں

اختر شیرانی، حافظ محمود شیرانی کے فرزند اور خود ایک بہت اعلیٰ شاعر و ادیب تھے۔ کئی رسائل بھی نکالے مثلاً انتخاب، بہارستان، خیالستان، رومان اور مخزن وغیرہ۔ کئی مجموعۂ کلام ہیں: صبح بہار، اخترستان، لالۂ طور، طیور آوارہ، شہناز، شہرود، نغمۂ حرم اور پھولوں کے گیت وغیرہ۔ نثری مضامین کا مجموعہ "دھڑکتے دل" کے نام سے شایع ہوا۔ اس سے قبل "ضحاک" اور "آئینہ خانہ" میں نثر کی دو مختصر کتابیں شائع ہوئی تھیں۔ ان کے علاوہ "جوامع الحکایات" کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ مزید برآں مجمع البحرین، مطلع السعدین اور جامع اللغات کی چاروں جلدوں کی تدوین و ترتیب میں شامل رہے۔ نظموں میں ان کا رنگ سخن مخصوص تھا جس نے نئی نسل کو بہت متاثر کیا۔ اختر شیرانی کا انتقال قیام پاکستان کے ایک سال بعد ہوا۔

حسرت موہانی

(وفات ۱۳۷۰ھ)

مظہرِ شانِ کبریا صلِ علیٰ محمد
آئینۂ خدا نما، صلِ علیٰ محمد

موجبِ نازِ عارفاں، باعثِ فخرِ صادقاں
سرور و خیر انبیاء صلِ علیٰ محمد

مرکزِ عشق دلکشا، مصدرِ حسن جانفزا
صورت و سیرت خدا، صلِ علیٰ محمد

مونسِ دل شکستگاں، پشت پناہ خستگاں
شافعِ عرصۂ جزا صلِ علیٰ محمد

حسرت اگر رکھے ہے تو، بخشش حق کی آرزو
وردِ زباں رہے سدا صلِ علیٰ محمد

مولانا حسرت موہانی کا نام فضل الحسن تھا۔ ولادت موہان میں ہوئی اور شاعری بھی یہیں شروع کی، تعلیم کانپور، فتح پور اور علی گڑھ میں حاصل کی۔ مسلم یونیورسٹی سے امتیاز کے ساتھ بی۔اے۔ پاس کیا، اور علی گڑھ ہی سے "اردوئے معلیٰ" کے نام ایک ماہنامہ جاری کیا۔ انگریزوں کے خلاف ان کی جدوجہد کا آغاز بھی یہیں سے ہوتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس میں شرکت کی اور سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں پہلی بار گرفتار ہوئے۔ قید و بند کے دوران ان کی بیشتر کتابیں، جن میں قلمی کتب بھی شامل تھیں، حکام نے نذر آتش کردیں۔ مولانا کئی بار جیل گئے مگر اپنے مقصد سے نہ ہٹے۔

آرزو لکھنوی

(۱۲۸۹ھ — ۱۳۷۰ھ)

حضرت آرزو لکھنوی کا نام سید انور حسین تھا۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ فارسی، عربی پر عبور حاصل تھا۔ علم عروض جلال لکھنوی سے سیکھا اور شاعری میں بھی انہیں سے اصلاح لی۔ آرزو نے کئی قابل ذکر ڈرامے بھی لکھے، ایک رسالہ قواعد زبان اردو کے بارے میں بھی لکھا۔ انہوں نے خالص اردو میں شاعری کی ہے، عربی اور فارسی کے الفاظ بہت کم استعمال کئے۔ ان کے دیوان "جہان آرزو" اور "فغان آرزو" قدیم رنگ میں ہیں، "سریلی بانسری" شاعری کی نئی لسانیات کا نمائندہ ہے۔ آرزو صاحب نے فلموں کے مکالمے اور گیت بھی لکھے ہیں۔ انتقال سے کچھ عرصہ پہلے پاکستان آگئے تھے۔ یہیں سنہ ۱۹۵۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔

ڈرے کیا آتش دوزخ سے دیوانہ محمدؐ کا
کہ اٹھتے شعلے گل کرتا ہے پروانہ محمدؐ کا

ظہور حال و مستقبل سے ماضی کو ملادوں گا
مجھے پھر آج دھرانا ہے افسانہ محمدؐ کا

رسائی کب ہے اُس تک، ہوش انساں، عقل قدسی کی
جو اپنی رو میں بک جاتا ہے دیوانہ محمدؐ کا

دوئی اک داغ، تہمت، غیرت الزام بے معنی
وہ اپنا ہے جسے اپنائے یارانہ محمدؐ کا

یہاں سے تابہ جنت روک ہے کوئی نہ پرسش ہے
جہاں چاہے چلا جا بن کے دیوانہ محمدؐ کا

درود اول سخن ہو آرزو پھر شعر نعتیہ
زباں دھو ڈال اگر کہنا ہے افسانہ محمدؐ کا

صفی لکھنوی

(وفات ۱۳۷۰ھ)

کبھی سوئے علی، گاہ نظر سوئے محمدؐ
ہے روئے علی، آئینۂ روئے محمدؐ

کرتی ہے فلک پر مہ کامل کو دو پارا
اعجاز نما نرگس جادوئے محمدؐ

ہے منزلِ قوسین اک ادنیٰ سا نمونہ
دیکھو شرفِ گوشۂ ابروئے محمدؐ

سائے سے کیا جب قد دلجو نے کنارا
بل کھا کے بنا حلقۂ گیسوئے محمدؐ

ہو مہر درخشاں کی نگاہوں کو چکا چوند
دیکھے جو اگر آئینۂ زانوئے محمدؐ

ہم پلۂ کونین گرانقدریٔ سبطین
جھکتا نہیں شاہین ترازوئے محمدؐ

آشوبِ قیامت سے صفی ہم کو خطر کیا
ہے پیشِ نظر قامتِ دلجوئے محمدؐ

حضرت صفی کا نام علی نقی تھا۔ ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی و عربی کی تعلیم مولوی نجم الدین کاکوروی اور شیخ حافظ علی سے حاصل کی اور انگریزی تعلیم مختلف کالجوں میں۔ تمام عمر محکمۂ دیوانی میں ملازمت کی اور سنہ ۱۹۲۳ء میں ریٹائر ہوئے۔

صفی لکھنوی کی نظموں کا مجموعہ "لخت جگر" کے نام سے اور غزلوں کا مجموعہ "صحیفۂ الغزل" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ غزلوں کا امتیازی رنگ یہ بھی ہے کہ مغربی حسنِ شعریت کو بڑی ندرت کے ساتھ اردو میں سمویا ہے، اس طرح صفی نے اردو شاعری کے دامن کو بڑی وسعت دی ہے۔

سیماب اکبر آبادی

(وفات ۱۳۷۰ھ)

حضرت سیماب کا نام سید عاشق حسین تھا۔ سنہ ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ داغ کے شاگرد تھے۔ خود سیماب کے بھی ہزاروں شاگرد ہیں۔ تقریباً ۲۸۴ کتابیں تصنیف کیں۔ شعری مجموعوں میں "کار امروز" صرف نظموں کا مجموعہ ہے۔ اپنی شاعری کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔ "میں اس شاعری کا منکر ہوں جس کا موضوع صرف عورت اور اسکے متعلقات ہوں، نظم کو غزل پر ترجیح دیتا ہوں"۔

حضرت سیماب کی ابتدائی غزلیں، قدیم تغزل سے ہم کنار ہیں، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ شاعری میں بلند خیالات اور بلند انسانی جذبات نے جگہ پائی۔ آخر عمر کا کلام بڑی حد تک فلسفیانہ نظر آتا ہے۔ شاید اسکی وجہ یہ بھی ہو کہ وہ اقبال کے ہم عصر تھے۔

پیام لائی ہے باد صبا مدینے سے
کہ رحمتوں کی اٹھی ہے گھٹا مدینے سے

ہمارے سامنے یہ نازش بہار فضول
بہشت لے کے گئی ہے فضا مدینے سے

فرشتے سیکڑوں آتے ہیں اور جاتے ہیں
بہت قریب ہے عرش خدا مدینے سے

نہ آئیں جا کے وہاں سے یہی تمنا ہے
مدینے لا کے نہ لائے خدا مدینے سے

مولانا سید سلیمان ندوی

(وفات ۱۳۷۳ھ)

عشق نبوی درد معاصی کی دوا ہے
ظلمت کدۂ دہر میں وہ شمع ہدیٰ ہے

پڑھتا ہے درود آپ ہی تجھ پر ترا خالق
تصویر پہ خود اپنی مصور بھی فدا ہے

بندے کی محبت سے ہے آقا کی محبت
جو پیروِ احمد ہے وہ محبوبِ خدا ہے

آمد تیری اے ابر کرم رونقِ عالم
تیرے ہی لیے گلشن ہستی یہ بنا ہے

فردوس و جہنم تیری تخلیق سے قائم
اے فرق بد و نیک ترے دم سے ہوا ہے

لے جائے گا منزل سے بہت دور بشر کو
جو جادہ سفر کا ترے جادے کے سوا ہے

علامہ سید سلیمان ندوی پٹنہ کے ایک گاؤں میں سنہ ۱۸۸۴ء میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تحصیل علم کیا اور وہیں استاد مقرر ہوگئے۔ آپ نے دارالمصنفین کی بنیاد ڈالی اور عرصہ تک اسے چلاتے رہے۔ سنہ ۱۹۵۰ء میں پاکستان آگئے۔ آپ ایک صاحبِ طرز ادیب تھے۔ بے شمار علمی اور دینی کتابیں لکھی ہیں۔ حضرت شبلی نعمانی کے بعد "سیرۃ النبی" کی تکمیل کی۔ آپ کی ایک تصنیف "خیام" بھی سوانحی ادب میں ایک اہم اضافہ ہے۔ آپ کا رسالہ "معارف" عرصے تک ادب اور قوم کی خدمت کرتا رہا۔ علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے آپ کو ڈاکٹری کی اعزازی ڈگری بھی دی۔ علامہ کبھی کبھی شعر کہتے مگر عموماً نعتیں۔

صفی اورنگ آبادی

(۱۳۱۰ھ — ۱۳۷۳ھ)

لاکھوں مضمون ہیں مداحِ محمّد کے لئے
خرچ کے واسطے اندازہ نہ آمد کے لئے

اشرف الخلق، شہنشاہِ رسل، شافع حشر
بخدا ساری خدائی ہے محمّد کے لئے

کیا کہوں منہ سے کہ قرآں کا منہ ہے ورنہ
حمد کا لفظ تو ہونا تھا محمّد کے لئے

رہی معراج میں دروازے کی زنجیر ایسی
جیسے بے چین کوئی رفتہ کی آمد کے لئے

خلد سمجھے جو ہوا گھر میں کبھی ذکر نبی
ہم نے دنیا میں مزے عیشِ مخلّد کے لئے

نعت کے واسطے تقلید ہو تازی کی صفی
عربی نیام ہو اس تیغِ مہنّد کے لئے

حضرت صفی اورنگ آبادی کا نام بہبود علی تھا۔ اجداد اورنگ زیب کے ہمراہ دہلی سے اورنگ آباد آئے اور وہیں بس گئے۔ صفی، اورنگ آباد کے ایک محلہ "جونا بازار" میں پیدا ہوئے۔ صفی نے با ضابطہ کوئی تعلیمی سند تو حاصل نہیں کی مگر اردو کے ساتھ عربی اور فارسی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شاعری میں ضیا گورگانی، حکیم ظہور احمد، عبدالولی فروغ کے علاوہ رضی الدین حسن کیفی سے بھی اصلاح لی۔ آپ کی غزلوں پر میر اور داغ کا اثر نمایاں ہے۔

غزل کے علاوہ صفی نے کچھ قصیدے، کچھ نظمیں، تقریباً ایک سو رباعیات بھی لکھی ہیں۔ زبان میں حسن بیان اور دیگر شعری خصوصیات کے ساتھ ساتھ دکنی بول چال کا بھی التزام رکھتے تھے۔

وحشت کلکتوی

(وفات ۱۳۷۵ھ)

وحشت کلکتوی کا نام رضا علی تھا۔ کلکتہ میں سنہ ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں والد کے انتقال کی وجہ سے تعلیم ادھوری رہی۔ مختلف دفاتر میں ملازمت کی۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں گورنمنٹ اسلامیہ کالج میں اردو کے لیکچرار مقرر ہوئے اور سنہ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۹ء تک لیڈی بریبورن کالج کلکتہ میں اردو اور فارسی کے پروفیسر رہے۔

شاعری میں نساخ کے شاگرد ابوالقاسم محمد شمس مغفور سے تلمذ حاصل کیا۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں دیوان شائع ہوا تو حالی، شبلی اور اقبال سب ہی نے تعریف کی۔ علامہ وحشت کے دوسرے دیوان کا نام "ترانۂ وحشت" ہے۔ برٹش گورنمنٹ کی طرف سے وحشت کو خانصاحب اور خان بہادر کے خطابات بھی ملے تھے۔

سوادِ عرشِ اعظم ہے جلوہ خانہ محمد کا
کلام اللہ میں لکھا ہے افسانہ محمد کا

نہ ہر دل لائق الفت، نہ ہر سر قابلِ سودا
وہ خوش قسمت ہے جو ہوتا ہے دیوانہ محمد کا

چراغِ طور کا پروانہ ہوکر رہ گئے موسیٰ
چراغِ طور خود ہوتا ہے پروانہ محمد کا

حدیث دلپذیر افسونِ تسکینِ خلائق ہے
زبان خلق پر جاری ہے افسانہ محمد کا

مئے عشق احد سے بزم احمد یوں ہوئی روشن
کہ لبریز مئے عرفاں ہے پیمانہ محمد کا

کسی کا چل سکا جادو نہ طبعِ وحشت آگیں پر
خدا کا شکر ہے وحشت ہے دیوانہ محمد کا

مناظر احسن گیلانی

(وفات ۱۳۷۵ھ)

مولانا مناظر احسن گیلانی کی زندگی کا زیادہ حصہ حیدرآباد دکن میں گذرا۔ جامعہ عثمانیہ میں اسلامیات کے صدر تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے شاگردوں میں سے تھے۔ ندوۃ المصنفین کی جانب سے اسلامی معاشیات اور مسلمانوں کے نظام تعلیم و تربیت پر آپ کی دو کتابیں شائع ہوئیں جن سے آپ کو ہمہ گیر شہرت حاصل ہوئی۔ آپ کی دیگر کتابوں میں "النبی الخاتم" اور "ابوذر غفاری" بہت مشہور ہیں۔ آپ کے مقالات کا ایک مجموعہ مجلس علمی (کراچی) نے بھی شایع کیا ہے مگر بیشتر علمی اور دینی مضامین رسائل میں بکھرے پڑے ہیں۔ کاش کوئی انہیں سمیٹ لے۔

آپ کی نعتوں کا انداز اوروں سے بہت مختلف ہے۔

پیارے محمّد جگ ساجن تم پر واروں تن منَ دھن
تمری صورتیا من موہن کبھی کرائیو تو درشن

جیا کنھڑے دلوا ترسے
کڑکا کڑکے بدرا برسے
صلی اللہ علیک نبینا

تمری ڈوریا کیسے چھوڑوں تم سے توڑوں کس سے جوڑوں
تمری گلی کی دھول بٹوروں تمرے نگرمیں دم بھی توڑوں

جی کا اب ارمان یہی ہے
آٹھوں پہر اب دھیان یہی ہے
صلی اللہ علیک نبینا

مولانا ظفر علی خاں

(وفات ۱۳۷۶ھ)

رونق بزم دودۂ آدم صلی اللہ علیہ وسلم
خواجۂ گیہاں، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

جادہ شناس وحدت منزل، جلوہ نمائے نور حقیقت
ہادی اکبر، مصلح اعظم، صلی اللہ علیہ وسلم

ہو گئی اس پر ختم رسالت دیتے گئے ہیں جس کی شہادت
موسی و عمراں، عیسی و مریم، صلی اللہ علیہ وسلم

ہے عرب اسکا اور عجم اسکا، تھامے ہوئے ہیں ہم علم اسکا
وہ ہے ہمارا، اسکے ہیں سب ہم، صلی اللہ علیہ **وسلم**

مولانا ظفرعلی خاں شاعر بھی تھے اور بلند پایہ صحافی بھی۔ اچھے انشا پرداز بھی تھے اور ناول نگار بھی لیکن بحیثیت صحافی اور شاعر زیادہ مشہور ہیں۔ آپ نے معاشرتی اصلاح کے مدنظر جو مضامین لکھے اور 'مغربی مصنفین' کے خیالات کو جس طرح اردو کا جامہ پہنایا وہ آپ کی مخصوص طرز نگارش کی عمدہ مثال ہے۔اس سلسلے میں آپ کی تصنیف "معاشرت" قابل مطالعہ ہے۔

شعری مجموعہ "خیالستان" کے نام سے موجود ہے۔ مولانا برسوں اپنا اخبار "زمیندار" نکالتے رہے اور حق گوئی و بیباکی کی سزا یوں بھگتی کہ کئی بار جیل میں گئے مگر اپنے نظریات سے روگردانی نہیں کی۔ مولانا کا انتقال سنہ ۱۹۵۶ء میں ہوا۔

سید علی اختر حیدرآبادی

(۱۳۱۱ھ - ۱۳۷۷ھ)

تھا یہ ترے کمال کا ایک نشان برتری
ورنہ عرب کے گلہ بان اور دماغ قیصری

نغمہ حق ادھر ہوا تیرے رباب سے بلند
رک گئے دفعتاً ادھر ساز و نوائے کافری

تو نے بتادیا کہ تھی عجز میں عظمت عروج
تو نے دکھادیا کہ ہے فقر میں شان قیصری

کیسے کہوں شہ رسل، میں بھی ترا غلام ہوں
قبلۂ بندگی مرا، تیرا حریم سروری

ٹوٹ رہے ہیں دم بہ دم جان حزیں پہ سنگ غم
پیس رہی ہے پے بہ پے گردش چرخ چنبری

خاک رہ نیاز ہوں، رتبۂ امتیاز دے
حوصلۂ بلندی و ہستی سرفراز دے

حضرت علی اختر حیدرآبادی رامپور میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ اور آگرے میں تعلیم پائی۔ ملازمت کے سلسلے میں حیدرآباد دکن آئے تو وہیں بس گئے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی آگئے اور وہیں انتقال کیا۔ علی اختر صاحب شعر میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ مجموعۂ کلام "انوار" کے نام سے زندگی ہی میں شائع ہو گیا تھا، بعد کا کلام ہنوز بکھرا ہوا ہے۔ عجیب العیہ ہے کہ حضرت علی اختر کے جواں مرگ صاحبزادے نظر حیدرآبادی کا مجموعہ بھی ابھی تک شائع نہیں ہوا جب کہ انہوں نے اسے "صف مژگاں" کے نام سے زندگی ہی میں ترتیب دیدیا تھا۔ صرف ان کی قومی نظموں کا ایک مختصر سا مجموعہ "نغمۂ کارواں" بہت عرصہ پہلے شائع ہوا تھا جو اب نایاب ہے۔

سردار عبدالرب نشتر

(وفات ۱۳۷۷ھ)

شب و روز مشغولِ صلِ علیٰ ہوں
میں وہ چاکرِ خاتمِ انبیاء ہوں

نگاہِ کرم سے نہ محروم رکھیو
تمہارا ہوں میں گر بھلا یا برا ہوں

مجھے بھی ہو معراج، معراج والے
میں دیوانۂ لیلائے معراج کا ہوں

مرے لحن پر رشک داؤد کو ہے
مدینے کی گلیوں کا نغمہ سرا ہوں

نہ کیوں فخر ہو عشق پر اپنے مجھ کو
رقیبِ خدا، عاشقِ مصطفیٰ ہوں

میں ہوں ہر دو عالم سے آزاد نشتر
گرفتارِ زلفِ رسولِ خدا ہوں

عبدالرب نشتر نسلاً پٹھان تھے اور کاکڑ قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ خط و کتابت کے ذریعے اکبر الہ آبادی سے شاعری میں اصلاح لی۔ غزلیں بھی کہیں اور نظمیں بھی۔ اپنی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے جیل بھی گئے۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں جب قائد اعظم نے مسلم لیگ کو سنبھالا تو نشتر صاحب کو لیگ کونسل کا ممبر چنا۔ پھر تا دمِ حیات وہ مسلم لیگ ہی سے وابستہ رہے۔ سنہ ۳۷ء سے سنہ ۴۳ء تک صوبائی اسمبلی کے ممبر رہے۔ سنہ ۴۳ء سے سنہ ۴۵ء تک صوبۂ سرحد میں مسلم لیگ وزارت کے وزیر خزانہ بھی رہے۔ سنہ ۴۶ء میں کونسل آف اسٹیٹ کے رکن منتخب ہوئے۔ پاکستان بنا تو سنہ ۴۷ء سے سنہ ۴۹ء تک وزیر مواصلات اور سنہ ۴۹ء سے سنہ ۵۱ء تک پنجاب کے گورنر رہے۔ لیاقت علی خاں کی شہادت کے بعد مرکز میں وزیر صنعت ہوئے مگر پھر اختلافات کی بنا پر استعفیٰ دیدیا اور پشاور چلے گئے۔ سنہ ۱۹۵۸ء میں انتقال ہوا۔

مولانا ابوالکلام آزاد

(وفات ۱۳۷۸ھ)

موزوں کلام میں جو ثنائے نبی ہوئی
تو ابتدا سے طبعِ رواں منتہی ہوئی

ہر بیت میں جو وصف پیمبر رقم کئے
کاشانۂ سخن میں بڑی روشنی ہوئی

ظلمت رہی نہ پرتوِ حسن۔ رسول سے
بیکار اے فلک شبِ مہتاب بھی ہوئی

ساقیٔ سلسبیل کے اوصاف جب پڑھے
محفل تمام مست مئے بے خودی ہوئی

سالک ہے جو کہ جادۂ عشقِ رسول کا
جنت کی راہ اُس کے لئے ہے کھلی ہوئی

آزاد اور فکر جگہ پائے گی کہاں
الفت ہے دل میں شاہِ زمن کی بھری ہوئی

مولانا ابوالکلام آزاد کی دینی، علمی، ادبی اور سیاسی زندگی، اور ان کے مرتبہ و مقام سے کون واقف نہیں۔ ان کی تصانیف آج بھی مشعل راہ ہیں اور اُن کے رسائل "الہلال" اور "البلاغ" آج بھی معیار صحافت کے سنگ میل ہیں۔ اس لئے میں ان کی سوانح، تصانیف اور شخصیت کے دیگر پہلوؤں سے گریز کرتے ہوئے مولانا غلام رسول مہر کے مضمون مطبوعہ "نقوش" (شخصیات نمبر) کی آخری چند سطریں جو مولانا آزاد کے ایک مکتوب سے ماخوذ ہیں، نقل کئے دیتا ہوں: "افسوس کہ زمانہ مرے دماغ سے کام لینے کا کوئی سامان نہ کرسکا۔ نہیں معلوم میرے ساتھ قبر میں کیا کیا چیزیں جائیں گی۔ میری زندگی کا سارا ماتم یہ ہے کہ اس عہد اور محل کا آدمی نہ تھا مگر اس کے حوالے کردیا گیا۔"

عبدالمجید سالک

(وفات ۱۳۷۹ھ)

مچی اک دھوم عالم میں محمد مصطفیٰ آئے
ہوا اتمام دیں جن پر وہ ختم الانبیاء آئے

جہاں کے لوگ تھے سب مبتلائے کفر گمراہی
انہیں ایمان کا رستہ دکھانے رہنما آئے

جہاں کو ہوش باقی تھا نہ دنیا کا نہ عقبیٰ کا
جہاں کی رہبری کو ہادیِ ہر دو سرا آئے

جہاں میں زندگی تھی شاق روحانی مریضوں کو
طبیب ان کے لئے لیکر دوائے جاں فزا آئے

نہ دیکھی جائے جس سے ذلت و مظلومیِ نسواں
وہ لیکر اپنے سینے میں دلِ درد آشنا آئے

کھلے افسردہ غنچے باغ میں اور بلبلیں چہکیں
وہ گلزار جہاں میں صورتِ بادِ صبا آئے

حضرت عبدالمجید سالک سنہ ۱۸۹۴ء میں بٹالہ ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم لاہور سے حاصل کی۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں پٹھان کوٹ سے ایک ادبی ماہنامہ "فانوس خیال" جاری کیا۔ سنہ ۱۹۱۵ء میں "تہذیب نسواں" کے مدیر ہوئے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں مولانا ظفر علی خاں کے اخبار "زمیندار" میں شامل ہوگئے۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں جگر صاحب سے ملکر "انقلاب" جاری کیا۔ آپ کی خود نوشت سوانح "سرگذشت" کے نام سے شائع ہوچکی ہے اور مجموعۂ کلام "رہ و رسم منزلہا" کے نام سے آپ کے صاحبزادے ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے شائع کیا ہے۔ عبدالمجید سالک کا انتقال سنہ ۱۹۵۹ء میں ہوا۔

جگر مرادآبادی

(وفات ۱۳۷۹ھ)

اک رند ہے اور مدحت سلطان مدینہ
ہاں کوئی نظر رحمت سلطان مدینہ

تو صبح ازل، آئینہ حسن ازل بھی
اے صل علیٰ صورت سلطان مدینہ

اے خاک مدینہ تری گلیوں کے تصدق
تو خلد ہے اور جنت سلطان مدینہ

ظاہر میں غریب الغربا پھر بھی یہ عالم
شاہوں سے سوا سطوت سلطان مدینہ

اسطرح کہ ہر سانس ہو مصروف عبادت
دیکھوں میں در دولت سلطان مدینہ

اس اُمت عاصی سے نہ منھ پھیر خدایا
نازک ہے بہت غیرت سلطان مدینہ

کچھ اور نہیں کام جگر مجھ کو کسی سے
کافی ہے بس اک نسبت سلطان مدینہ

جگر صاحب کا نام علی سکندر تھا۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ شاعری میں پہلے اپنے والد سے، پھر داغ اور داغ کے بعد امیراللہ تسلیم سے اصلاح لی۔ جگر صاحب کا پہلا مجموعہ "داغ جگر" تھا جو زیادہ مشہور نہیں ہوا۔ ان کا دوسرا مجموعہ "شعلۂ طور" اور اس کے بعد "آتش گل" ان کا شعری مرتبہ متعین کرتے ہیں۔ جگر صاحب کی شخصیت کی طرح ان کے کلام میں بھی ایک کیف، وارفتگی اور بےخودی پائی جاتی ہے۔ بحیثیت "انسان" اپنی ذات میں وہ ایک حسین شخصیت کے مالک تھے، یہی حسن ان کی پوری شاعری میں پھیلا ہوا ہے۔ حکومت ہند نے بھی جگر صاحب کو بڑے اعزازات سے نوازا۔ سنہ ۱۹۶۰ء میں ان کا انتقال ہوا۔

نوح ناروی

(وفات ۱۳۸۰ھ)

حضرت نوح کا نام محمد نوح تھا۔ قصبہ نارا، ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی جانتے تھے۔ شاعری میں پہلے میرنجف علی سے اصلاح لی، پھر امیر مینائی، جلال لکھنوی اور پھر داغ کے شاگرد ہوگئے۔ حضرت سائل نے حضرت نوح کو حضرت داغ کا جانشین منتخب کیا تھا۔ خود حضرت نوح کے بے شمار شاگرد تھے۔ انہوں نے اپنی خود نوشت میں شاگردوں کی تعداد ۵۰۰ لکھی ہے۔ دیوان چار ہیں: سفینۂ نوح، طوفان نوح، اعجاز نوح اور یادگار نوح۔ ان کے علاوہ مقالات نوح اور مکتوبات نوح نثری تصانیف ہیں۔

سامنے جس کی نگاہوں کے مدینہ آیا
لطف کے ساتھ اسے مرنا اسے جینا آیا

تابش حسن محمد تھی یہ معراج کی رات
ہر چمکتے ہوئے تارے کو پسینہ آیا

زندگی وادیٔ یثرب میں بسر کرنا تھی
حضرت خضر کو جی بھر کے نہ جینا آیا

اپنی گردش سے اسی وجہ سے نالاں ہے فلک
کہ طواف در اقدس کا قرینہ آیا

بیٹھے اس شان و حشم سے وہ سر زین براق
سمجھے جبریل کے خاتم میں نگینہ آیا

حوض کوثر کے قریں مالک کوثر کی قسم
وہ ہے کافر جو کہے مجھکو نہ پینا آیا

ناخدا جب ہو محمد سا تو ہم کیوں یہ کہیں
نوح طوفان حوادث میں سفینہ آیا

امجد حیدرآبادی

(وفات ۱۳۸۰ھ)

کس بات کی کمی ہے مولا تیری گلی میں
دنیا تیری گلی میں، عقبیٰ تیری گلی میں

جام سفال اسکا تاج شہنشہی ہے
آ جائے جو بھکاری داتا تیری گلی میں

دیوانگی پہ میری ہنستے ہیں عقل والے
تیری گلی کا رستہ پوچھا تیری گلی میں

سورج تجلیوں کا ہر دم چمک رہا ہے
دیکھا نہیں کسی دن سایہ تیری گلی میں

موت اور حیات میری دونوں ترے لئے ہیں
مرنا تیری گلی میں جینا تیری گلی میں

امجد کو آج تک ہم ادنیٰ سمجھ رہے تھے
لیکن مقام اسکا پایا تیری گلی میں

حضرت امجد حیدرآبادی کا نام احمد حسین تھا۔ سنہ ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں یتیم ہو گئے تھے اس لئے بڑی کسمپرسی میں زندگی گذری۔ دوسرا سانحہ انہیں یہ پیش آیا کہ دریائے موسیٰ کی طغیانی میں ان کا گھر بہہ گیا اور انہیں والدہ، بیوی اور ایک بچی کی اندوہناک جدائی برداشت کرنا پڑی۔ اس تباہی کی داستان انہوں نے اپنی ایک نظم "قیامت صغرا" میں بیان کی ہے۔ امجد کا ابتدائی مجموعہ "ریاض امجد" ہے۔ رباعی میں انہیں وہی مقام حاصل ہے جو فارسی میں سرمد اور خیام کو حاصل تھا۔ بنیادی طور پر وہ رباعیات ہی کے شاعر ہیں۔

ہادی مچھلی شہری

(وفات ۱۳۸۱ ھ)

وجود پاک ہے کتنا محبت آفریں تیرا
نہیں ثانی کوئی اے رحمت للعالمیں تیرا

ذرا اس اتحاد حسن والفت کو کوئی دیکھے
تو کعبے کے مکیں کا اور کعبے کا مکیں تیرا

تصور تیرا جنت ہے محبت تیری بخشش ہے
یہ رتبہ اور یہ درجہ شفیع المذنبیں تیرا

رہے گا حکم تیرا کارفرما روز آخر تک
لقب اے شافع محشر ہے ختم المرسلیں تیرا

توجہ کی نظر وقت شفاعت اس پہ بھی رکھنا
کہ ادنیٰ امتی ہے ہادی خلوت نشیں تیرا

•

حضرت ہادی مچھلی شہری سنہ ۱۸۹۰ء میں مچھلی شہر، ضلع جونپور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام مولوی عبدالرزاق شاکر تھا۔ ہادی صاحب جلیل مانک پوری کے شاگرد تھے۔ بسلسلہ تعلیم و ملازمت زیادہ تر الہ آباد میں رہے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی آئے اور یہیں سنہ ۱۹۶۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔ اردو، فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ اردو میں دو دیوان ہیں۔ ایک میں غزلیات ہیں اور دوسرے کا تعلق مذہبیات و اخلاقیات سے ہے۔

انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے جناب وسیم نے ان کے باقی اور غیر مطبوعہ کلام کو کتابی صورت میں شائع کردیا۔

حمید عظیم آبادی

(وفات ۱۳۸۳ھ)

چارۂ درد لا دوا تم ہو
بے سہاروں کا آسرا تم ہو

مامن غم ہے خاک طیبہ کی
ہمدم آہِ نارسا تم ہو

دل کی دنیا نثار قدموں پر
جانِ پامالِ مدعا تم ہو

کیوں امیدوں کا کارواں بھٹکے
خضر منزل ہو رہنما تم ہو

عرش پر بھی چراغ تم سے جلا
شمعِ کاشانۂ صفا تم ہو

ہو حمید حزیں پہ چشم کرم
غم بھرے دل کا مدعا تم ہو

حضرت حمید عظیم آبادی سنہ ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے وقت کے بہترین اسپورٹس مین تھے۔ خاص طور سے فٹ بال کے بہترین کھلاڑیوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ شاعری میں پہلے مبارک عظیم آبادی اور بعد میں شاد عظیم آبادی سے تلمذ حاصل رہا۔ آپ کو فن عروض پر کامل دست رس حاصل تھی۔ اس فن پر انہوں نے کتابیں بھی لکھی ہیں، مثلاً جامع العروض، رمز العروض اور مفتاح العروض وغیرہ۔ آپ نے ایک کتاب "بہاریں اردو" بھی تالیف کی۔ قیام پاکستان کے بعد سکھر میں آباد ہوگئے اور ایک رسالہ "جام جم" نکالا۔ سنہ ۱۹۶۳ء میں کچھ دنوں کے لئے عظیم آباد گئے تو وہیں آپ کا انتقال ہوگیا۔ آپ کا دیوان ابھی تک شائع نہ ہوسکا۔ خدا جانے ان کے صاحبزادے مشہور شاعر حسن حمیدی نے اس طرف توجہ کیوں نہیں دی۔

شکیل بدایونی

(وفات ۱۳۹۰ھ)

موت ہی نہ آجائے کاش ایسے جینے سے
عاشقِ نبی ہوکر دور ہوں مدینے سے

فرقتِ محمد میں خوں فشاں ہیں یوں آنکھیں
جیسے مئے چھلکتی ہو سرخ آب گینے سے

زندگی کے طوفاں میں جب کہ ناخدا تم ہو
کیوں نہ ہوں خدا والے مطمئن سفینے سے

کون سی دعا ہے وہ جو اثر نہیں رکھتی
ہاں مگر یہ لازم ہے مانگئے قرینے سے

اے حسینِ بطحا سن، ہے یہی خوشی میری
عمر بھر لگا رکھوں تیرے غم کو سینے سے

شکیل بدایونی سنہ ۱۹۱۶ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۴۲ء میں علی گڑھ سے بی۔اے کیا۔ شعر گوئی میں سیماب اکبر آبادی اور ضیاءالقادری سے اصلاح لی۔ سنہ ۴۳ء میں سرکاری ملازمت اختیار کی۔ سنہ ۴۶ء سے آخر دم تک فلمی دنیا سے متعلق رہے۔ بے شمار فلموں کے نغمے اور گیت لکھے۔ مجموعۂ کلام صنم و حرم، رعنائیاں اور شبستان کے علاوہ فلمی گیتوں کا ایک مجموعہ "دور کوئی گائے" بھی شائع ہو چکا ہے۔

شکیل کا انتقال بمبئی میں سنہ ۱۹۷۰ء میں ہوا۔

علامہ تمنا عمادی

(وفات ۱۳۹۲ھ)

علامہ تمنا عمادی کا نام سید محی الدین تھا۔ حسان الہند کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ سنہ ۱۳۰۵ھ میں پھلواری شریف میں پیدا ہوئے۔ درس نظامیہ اپنے والد سید شاہ نذیرالحق فائز سے حاصل کیا اور حدیث مولانا حکیم علی نعمت سے۔ علم طب میں بھی درک رکھتے تھے۔ شاعری میں پہلے شمشاد لکھنوی کے شاگرد رہے، پھر شبلی سے فارسی شاعری اور عربی ادب میں تلمذ حاصل کیا۔ علامہ کی تصانیف میں جواہرالعرب (صرف میں)، روح النحو، جواہرالادب (عربی ادب میں)، فارسی کی مثنویاں مذهب العقل، معاش و معاد، نصح النصیح، انمول موتی، میل اشک اور هوک وغیرہ، عروض جدید، البدر المنیر فی اصول التفسیر (اردو میں)، حاشیہ حمداللہ (عربی میں)، حاشیہ میر زاهد ملا، تحقیق وجود رابطی، امراض الراس، حیات اور اعیان کی شرح کے علاوہ اردو کے چھ دیوان اور فارسی کا ایک دیوان ہے۔ ایضاح سخن، شرح اصلاح سخن زیر تالیف تھی، خدا جانے مکمل ہوسکی یا نہیں۔ علامہ قیام پاکستان کے بعد سابق مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) آگئے تھے۔ ۱۹۷۲ع میں ان کا انتقال ہوا۔

اے خوش نصیب لوگو، یثرب کے جانے والو
عیش ابد کمالو، رنج سفر اٹھاکر

اس بدنصیب کی ہے اک عرض سنتے جاؤ
کہتا ہے چشم تر سے سیروں لہو بہاکر

دیکھو یہ یاد رکھنا، طیبہ میں جب پہنچنا
مجھ کو نہ بھول جانا، مقصود اپنا پاکر

ہو روضۂ نبی پر جب حاضری تمہاری
کہنا بہت ادب سے جالی کے پاس جاکر

بگڑی ہے بات ایسی بنتی نہیں بنائے
بیٹھے ہیں آپ ہی سے سب آسرا لگاکر

بہزاد لکھنوی

(وفات ١٣٩۴ھ)

مبتدا، منتہا، درود و سلام   مظہر کبریا درود و سلام

حق نظر، حق نگاہ، حق آگاہ   حق ادا، حق نما درود و سلام

صادق و عابد و امین و سخی   زاہد و پارسا درود و سلام

مظہر اولین و ختم رسل   خاتم الانبیاء درود و سلام

اے جہاں تاب اے جہاں پرور   اے جہاں آشنا درود و سلام

فخر نوح و کلیم و آدم و خضر   نازش انبیاء درود و سلام

ایسا بہزاد کو بنا دیجئے   بھیجے صبح و مسا درود و سلام

بہزاد لکھنوی کا نام سردار احمد خاں تھا۔ سنہ ١٩٠٠ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ بزرگ رامپور میں رہتے تھے اور آفریدی نسل سے تھے۔ بہزاد صاحب تعلیم کے بعد ایسٹ انڈین ریلوے میں ملازم ہوگئے مگر اختلاج قلب کی وجہ سے زیادہ دن ملازمت نہ کر سکے۔ سنہ ١٩٣٢ء میں آل انڈیا ریڈیو سے منسلک ہوگئے۔ سنہ ١٩۴٢ء میں لاہور کی ایک فلم کمپنی میں ملازمت کر لی مگر پھر لکھنؤ چلے آئے۔ قیام پاکستان کے بعد ریڈیو پاکستان کراچی سے عرصۂ دراز تک وابستہ رہے۔ ان کے کلام کے کئی مجموعے شائع ہوچکے ہیں: نغمۂ نور، کیف و سرور، چراغ طور، کفر و ایمان، نعت حضور صلعم، بیان حضور صلعم وغیرہ۔ بہزاد صاحب آخر عمر میں صرف نعت لکھتے تھے۔ اس فن میں انہیں ایک خاص مقام حاصل تھا۔

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

(وفات ۱۳۹۸ھ)

رخشندہ ترے حسن سے رخسار یقیں ہے
تابندہ ترے عشق سے ایماں کی جبیں ہے

ہر گام ترا ہم قدمِ گردشِ دوراں
ہر جادہ تری رہگذر خلدِ بریں ہے

جس میں ہو ترا ذکر وہی بزم ہے رنگیں
جس میں ہو ترا نام، وہی بات حسیں ہے

چمکی تھی کبھی جو ترے نقش کفِ پا سے
اب تک وہ زمیں چاند ستاروں کی زمیں ہے

چمکا ہے تری ذات سے انساں کا مقدر
تو خاتمِ دوراں کا درخشندہ نگیں ہے

آیا ہے ترا اسم مبارک مرے لب پر
گرچہ یہ زباں اسکی سزاوار نہیں ہے

صوفی صاحب سنہ ۱۸۹۹ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ چرچ مشن اسکول اور خالصہ کالج امرتسر اور مشن کالج لاہور میں تعلیم پائی۔ عمر کا زیادہ حصہ لاہور میں گذارا۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی کرکے گورنمنٹ ہائی اسکول میں مدرس ہوگئے۔ پھر فارسی میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی اور سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ کچھ عرصے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں شعبۂ فارسی اور اردو کے صدر رہے۔ ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد صوفی صاحب ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہوگئے۔ شاعری میں وہ حکیم فیروزالدین طغرائی کے شاگرد تھے۔ اردو، فارسی اور پنجابی، تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ شعری مجموعہ "انجمن"، ڈراموں کے مجموعہ "جاہ و جلال" (ترجمہ)، دو ناٹک (پنجابی ترجمہ)، امیرخسرو اورعلامہ اقبال کے منظوم تراجم، بچوں کی نظموں کا مجموعہ "جھولنے" اور "مسلمانوں کا علم جغرافیہ" چھپ چکے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی صوفی صاحب نے بہت لکھا ہے جو رسائل میں بکھرا پڑا ہے۔

سید آل رضا

(وفات ۱۳۹۸ھ)

سید آل رضا سنہ ۱۸۹۷ء میں ضلع اناؤ میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم پائی، کیننگ کالج لکھنؤ سے بی۔ اے پاس کیا۔ الہ آباد لا اسکول سے ایل ایل۔ بی کیا اور وکالت شروع کردی۔ والد کا نام سید محمد رضا تھا جو اودھ چیف کورٹ کے جج تھے۔ سید صاحب آرزو لکھنوی کے شاگرد تھے۔ پاکستان میں لکھنؤ اسکول کے واحد نمائندہ سمجھے جاتے تھے۔ آل رضا صاحب کا ایک مختصر مجموعہ کلام سنہ ۱۹۲۹ء میں "نوائے رضا" کے نام سے شائع ہوا تھا۔ پاکستان میں غزلوں کا ایک مجموعہ "غزل معلیٰ" کے نام سے چھپا۔ ابھی ان کا بہت سا کلام غیر مطبوعہ ہے جسے ان کے چھوٹے بھائی سید ہاشم رضا مرتب کر رہے ہیں۔

تہذیب عبادت ہے سراپائے محمدؐ
تسلیم کی خوشبو، چمن آرائے محمدؐ
تنظیم خدا ساز، تمنائے محمدؐ
منشا جو خدا کا وہی منشائے محمدؐ

جس دل میں ہے اللہ وہیں رہتے ہیں یہ بھی
اللہ جو کہتا ہے، وہی کہتے ہیں یہ بھی

وہ وحی کے عالم میں کمالِ بشریت
اللہ کا پرتو، خدو خالِ بشریت
انوار کا آئینہ، جمالِ بشریت
کیفیتِ مخصوص میں حالِ بشریت

قرآن زباں، طرۂ گفتارِ محمدؐ
قرآن عمل، منزلِ کردار محمدؐ

محبوب خدا، لطف و محبت کا علمدار
اخلاق ہمہ گیر کی وسعت کا علمدار
انسان سے انسان کی ملت کا علمدار
اللہ کے رشتے سے اخوت کا علمدار

وہ پرچم احساں جو زمانے پہ کھلا ہے
رحمت کا وہ بادل جو برسنے پہ تلا ہے

سعیدہ عروج مظہر

(وفات ۱۳۹۸ھ)

سعیدہ مظہر حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئیں۔ اُن کے والد سید مرتضیٰ حسین اُس اسکول میں پڑھاتے تھے جس کے ہیڈ ماسٹر حضرت فانی بدایونی تھے۔ چنانچہ فانی کی سرپرستی میں سعیدہ مظہر کی شعری صلاحیتوں کو اُبھرنے کا موقع ملا۔ ویسے سعیدہ مظہر کی دادی، نانی اور پھوپی بھی اپنے وقت کی اچھی شاعرات میں شمار ہوتی تھیں۔

سعیدہ مظہر نے عثمانیہ یونیورسٹی سے سنہ ۴۳ء میں بی۔اے کیا اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔ پھر فارسی میں ایم۔اے اور بی۔ایڈ بھی کیا۔ سنہ ۴۶ء میں اُن کی شادی حسن محمود عروج سے ہو گئی جو خود بھی ایک اچھے ادیب تھے۔ سعیدہ مظہر نے ساری زندگی تعلیم و تدریس کے فرائض اُنجام دیئے۔ آخر عمر میں وہ گورنمنٹ ٹیچرز ٹریننگ کالج میں استادوں کو پڑھاتی تھیں۔ آپ کی تصانیف میں سات ناول اور چار ترجمے بھی شامل ہیں۔ شعری مجموعہ کوئی شائع نہ ہوسکا۔

میرے مولا، میرے آقا، میرے سرور صدقے
جان و دل صدقے ترے پاؤں پہ یہ سر صدقے

کائنات آج مکمل ہوئی آمد سے تری
ذاتِ انساں مدلل ہوئی آمد سے تری

تونے بتلایا کہ انسان کی ذاتِ واحد
اپنے کردار کی تلوار پہ خود ہے کاسد

نوکِ شمشیر پہ بھی حق ہی کہے اُڑ جائے
کس میں دم ہے کہ پھر ایسے سے کوئی لڑ جائے

یہ صفت جس میں ہو وہ بندۂ مومن کہلائے
حکمِ آقا کے لئے زندہ رہے یا مر جائے

تیری آمد کا یہ مفہوم تھا مکی مدنی
دمِ مظہر کردار کا ہوتا ہے دھنی

ماہر القادری

(۱۳۲۴ھ - ۱۳۹۸ھ)

مولانا ماہر القادری کا نام منظور حسین تھا۔ موضع کیسر کلاں، ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے۔ اردو اور فارسی اپنے والد محمد معشوق علی ظریف سے پڑھی۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں علی گڑھ سے میٹرک پاس کیا۔ مولانا عبدالقدیر بدایونی سے بیعت تھے اسی مناسبت سے آپ کا نام ماہر القادری ہے۔ انہیں کی وساطت سے مہاراجہ سر کشن پرشاد، وزیر اعظم ریاست حیدرآباد دکن سے بھی تعلق پیدا ہوا اور انکی سرپرستی و مصاحبت میں عرصہ دراز تک دکن میں رہے۔ کچھ عرصہ بمبئی میں فلم کمپنیوں سے بھی وابستگی رہی اور اکثر فلموں کے نغمے لکھے۔

قیام پاکستان کے بعد کراچی چلے آئے اور ماہنامہ "فاران" نکالا جو تا دم مرگ جاری رہا۔ نظم و نثر کی متعدد کتابیں لکھیں جن میں "در یتیم" زیادہ مشہور ہے۔ ماہر صاحب کے نعتیہ کلام کے مجموعے کا نام "ذکر جمیل" ہے۔ دو شعری مجموعے اور بھی ہیں "جذبات ماہر" اور "نغمات ماہر"۔ ماہر صاحب کچھ دن قبل ایک مشاعرے کے سلسلے میں جدہ گئے تھے کہ دوران مشاعرہ ان پر دل کا دورہ پڑا اور وہیں آن کا انتقال ہو گیا۔

کوئے نبی میں اسطرح جانا نہ چاہیئے
اک اک قدم پہ سجدۂ شکرانہ چاہیئے

مخمور جس شراب سے تھے بوذر و بلال
مجھ کو اسی شراب کا پیمانہ چاہیئے

پی تو لیا ہے بادۂ حب نبی کا جام
اب اس کے بعد ہوش میں آنا نہ چاہیئے

جالی سے چھن رہا ہے وہ نور۔ مزار پاک
ایسے میں صرف جرأت رندانہ چاہیئے

ممکن نہیں جو اُن کی طرف سے نہ ہو کشش
انداز گفتگو کا کلیمانہ چاہیئے

ماہر غم و الم سے ہو کتنا ہی دل نڈھال
شکوہ مگر زبان پہ لانا نہ چاہیئے

مطالعے سے پہلے

صفحہ	مصرع	سطر	تصحیحات
۱	۱		بعض حوالوں میں "ھجلو" بھی لکھا گیا ہے۔ "ھجل" عربی میں دو پہاڑیوں کے درمیانی حصے کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے خواجہ صاحب نے "غار حرا" کی رعایت سے "ھجلو" لکھا ہو۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ خواجہ صاحب نے اپنے عہد کی علاقائی زبان کے لحاظ سے "ہو جیو" لکھا ہو ـ بہر حال یہ لفظ تحقیق طلب ہے۔
	۲		سیس = پیشانی ـ سر
		۱۶	ڈاکٹر حفیظ قتیل کی تازہ تحقیق کی روشنی میں "معراج العاشقین" کا مصنف مخدوم شاہ حسینی بیجاپوری ہے۔
۲		۲۰	ڈاکٹر نجم الاسلام اسے "لسانی مماثلت" سے تعبیر کرتے ہیں۔
۳	۲—۶		پچھان ۔ کلھائے
		۱۲	شرح جام جہاں نما اور امواج خوبی۔ (آخرالذکر فارسی نثر میں اردو مثنوی "خوب ترنگ" کی شرح ہے)۔ مزید ـ "خوب ترنگ" کا سنہ آغاز ۹۸۶ھ ہے اور "امواج خوبی" سنہ ۹۹۹ھ میں تکمیل پائی۔
۴			ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے وجہی کا سنہ وفات ۱۰۷۰ھ متعین کیا ہے۔ استدلال یہ ہے کہ ابن نشاطی نے "پھول بن" (۱۰۶۶ھ) میں وفات پانے والے اساتذہ میں وجہی کا نام شامل نہیں کیا یعنی وہ زندہ تھا۔ مگر "بہرام و گل اندام" (۱۰۸۸ھ) میں ابن نشاطی ، وجہی کو خواب میں دیکھتا ہے (ظاہر ہے کہ وفات کے بعد)۔ اس اعتبار سے سنہ وفات ۱۰۶۶ھ اور ۱۰۸۸ھ کے درمیان ہونا چاہیئے۔
		۱۹	اگر اس دلیل کو مان لیا جائے تو "سو سال عمر" محل نظر ہے۔
۵		۱۲	مشتمل تھا (حوالہ) کلیات کے مرتب اول سلطان محمد نے اپنے

صفحہ	مصرع	سطر	تصحیحات
			منظوم دیباچے میں ابیات کی تعداد پچاس ہزار بیان کی ہے۔ لیکن مطبوعہ کلیات میں (بقول نصیرالدین ہاشمی) بہت سا کلام نہیں ہے۔
		حاشیہ	چیری = غلام، باندی، چیلی (قدیم اردو کی لغت ۔ ڈاکٹر جمیل جالبی)۔
۶		۵	موجود تھے۔ (مزید)۔ نواب سالار جنگ کے کتب خانے میں اس کے کلیات کا ایک مخطوطہ موجود ہے (دکن میں اردو، نصیرالدین ہاشمی صفحہ ۶۰)۔ اب یہ مخطوطہ شائع ہوگیا ہے مگر اسمیں نہ صرف قصائد اور مثنویاں نہیں ہیں بلکہ غزلیں بھی بہت کم ہیں۔ عبداللہ قطب شاہ کا اردو کلام ایک انتخاب میں بھی جمع ہے جسے ۱۰۷۹ھ میں اردستانی نے حیدرآباد (دکن) میں مرتب کیا تھا۔ اس کا ایک مطلا نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔ ایک اور اہم بات۔ فارسی کی مشہور لغات "برہان قاطع" اسی بادشاہ کے عہد میں تالیف ہوئی تھی۔
		۱۲	کتاب الرشاد
۷		حاشیہ	ٹھیرے
		"	لات و ہبل (دو بتوں کے نام ہیں)
۱۰		۱	موجودہ مدراس کے . . . . .
۱۲		۳	بہ سبیل سیاحت . . . . .
		۱۱	تذکرۃ الابرار
۱۴		نام	. . . . شیخ جیون
۱۵		۶	تو پہلے فرخ آباد پہنچے پھر فیض آباد گئے
۱۶		۱۳	۳۰۴ شعرا کا ذکر ہے
		۱۴	(وضاحت)۔ ہر حرف کے تحت جن شعرا کا ذکر آتا ہے، متقدمین، متوسطین اور متاخرین کے عنوانات کے تحت ان کی ذیلی تقسیم کی ہے۔
		۱۸	۱۱۹۱ھ

نوٹ — ۱۱۹۳ھ کسی اور کتاب سے منقول تھا۔ طباعت کے دوران میر حسن کا "تذکرہ شعراء" (مقدمہ ۔ محمد حبیب الرحمٰن خاں

صفحہ	مصرع	سطر	تصحیحات
			شروانی مطبوعہ ١٩٢١ء حیدرآباد دکن) نظر سے گذرا تو "خاتمہ" کے تحت یہ عبارت دیکھی۔
			"الحمدللہ والمنتہ کہ ایں تذکرہ من تالیف فقر حقیر پروردۂ آغوش رنج و محن، میر حسن، در تاریخ یک ہزار و یک صد و نود و یک ہجری بہ اتمام رسید"
١٧		١	میر محمد تقی میر
		١٢	و اسوخت کے موجد .... (آب حیات)
١٨		١١	آخری عمر بھی لکھنو میں گذاری
١٩		نام	مرزا جان طپش
			نوٹ ـ گلشن بے خار (مولفہ) نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ (ترجمہ وحواشی) محمد احسان الحق فاروقی، (تعارف) سید الطاف علی بریلوی، (پیش لفظ) ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، (مطبوعہ) اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ سنہ ١٩٦٢ء میں "تپش تخلص، نام مرزا محمد اسمٰعیل لقب مرزا جان" لکھا ھے۔ لیکن مثنوی "بہار دانش" کے آخر میں طپش نے جو قطعہ تاریخ لکھا ھے اسمیں حرف "ط" استعمال کیا ھے۔ ہوا جس گھڑی ترجمہ یہ تمام بہ طرز لطیف و بہ حسن کلام طپش نے وھیں فکر کر ایک بار کہی اس کی تاریخ باغ و بہار
		١٢	شمس البیان فی مصطلحات ھندوستان
		١٣	نوٹ ـ ملازمت کے بارے میں "سیر المصنفین" کے مولف محمد یحییٰ تنہا لکھتے ھیں۔ ".... کلکتے کا رخ کیا اور کالج میں ملازم ہوگئے۔ جو کتابیں کالج کی طرف سے شائع ہوتی تھیں ان کی نظر ثانی آپ کے سپرد تھی" صفحہ نمبر ١٩٣
			"بہار دانش" کے مرتب خلیل الرحمٰن داؤدی اپنے مقدمے میں لکھتے ھیں۔ "کلکتے میں طپش کے سپرد فورٹ ولیم کالج کی ترجمہ شدہ کتابوں پر نظر ثانی کا کام تھا"۔
			اسپرنگر نے طپش کے کلکتے کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے

صفحہ	مصرع	سطر	تصحیحات
			”تذکرۂ عشقی“ (یادگار شعراء) کے حوالے سے لکھا ہے ”... کلکتے گئے جہاں یہ کچھ عرصے تک قید میں رہے.... قید کے زمانے میں انھوں نے ریختہ میں یوسف و زلیخا لکھی...“
			خلیل الرحمٰن داؤدی لکھتے ہیں ”طپش کے قید میں رہنے کی بات بڑی عجیب ہے۔ کسی اور تذکرہ نگار نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے... قصۂ یوسف زلیخا کا انتساب بھی طپش سے مشکوک ہے... قید کا واقعہ بھی تحقیق طلب ہے“
			اسی طرح کسی مضمون میں ”درس و تدریس“ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ طپش کے حالات کا علم چونکہ بہت کم ہے اس لئے بہت سی باتیں تحقیق طلب ہیں۔
	٥—٦		حبیب اللہ۔ گنہہ گاروں۔
٢٠		٩	ترکی، مارواڑی اور مرہٹی بھی جانتے تھے
٢١		١	امروہے
		١١	تین تذکرے۔ عقد ثریا۔ ریاض الفصحاء۔ تذکرۂ ہندی
		١٦	دوسرا جلال اسیر...
٢٢		١١	صوفیہ
		١٨	آشکار اور فدائی
٢٣		١	مولانا محمد اسماعیل شہید، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے تھے۔ وہ نہ صرف...
			(مزید)۔ نواب قطب الدین خاں دہلوی نے ”جامع التفاسیر“ میں شاہ اسماعیل شہید کے ان نعتیہ اشعار کا حوالہ دیا ہے۔
٢٨		١٠	شہیدی نے ایک بہت اعلیٰ معیار کا قصیدہ اور شاید چند لکھنوی انداز کی نعتیں کہی ہیں مگر...
٣٠		وفات	سنہ ١٢٦٨ھ
٣١		۴	... ظفر کے پہلے استاد تھے۔ اُن کے بعد ذوق نے بھی....
		١٢	٢٣ قصیدے (دو اور بھی دستیاب ہوئے ہیں)

صفحہ	مصرع	سطر	تصحیحات
		۱۳	نامۂ جہاں سوز (یہ مثنوی غدر میں ضایع ہوگئی)
۳۴		وفات	سنہ ۱۲۸۸ھ (بحوالہ "عروس الاذکار")
		حاشیہ	ہاتھوں پہ ہے یہ چہرہ کہ ہے رحل پہ قرآن (جوش)
۴۰		وفات	سنہ ۱۲۹۳ھ (وائے امامِ شعرا شد شہید) نوٹ — شفیق بریلوی نے "ارمغانِ نعت" میں سنہ وفات ۱۲۹۶ھ لکھا ہے جو میرا ابتدائی ماخذ ہے۔
		۱۰	میلاد شہیدی (اردو کی نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری)۔ آن کی تصنیف کردہ کتاب "میلاد شہیدی" بھی بہت مقبول ہوئی ہے"۔ مولود شریف شہید۔ (اردو میں نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق) نوٹ — یہ کتاب مختلف ناموں سے ملتی ہے۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری "اس میلاد شریف کے جعلی نسخے بھی بعض مطبعوں نے چھاپ دیئے ہیں" اسی لیے ایک ہی کتاب کے ناموں میں اسقدر تضاد ہے۔ یہ مولود شریف ۱۸۵۰ع میں مطبع قادری آگرہ میں چھپا تھا۔ جس پر مولف کا نام یوں درج تھا "مولفہ غلام امام پیش کار عدالت"
۴۳	۱۳		فتح — ممکن ہے شاعر نے "سندھی تلفظ" نظم کیا ہو جیسا کہ "سندھ میں اردو" کے مولف ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے اکثر ایسے مقامات پر وضاحت کی ہے یا اس مخصوص شعر میں کمپوزیشن کی غلطی سے مصرع بےوزن ہوگیا ہو ورنہ مصرع یوں ہوتا آیاتِ الٰہی سے ہوا فتح یہ ظاہر
۴۴		۱۳	فارسی مثنویاں بھی لکھی ہیں
۴۵	۲		جس سے عالم میں ہوئی حاصل صفا
	۱۰		ہو وے نازل اسکی آلِ پاک پر مزید — ایک تذکرہ "قطعہ منتخب" حال ہی میں انجمن ترقی اردو نے کراچی سے شائع کیا ہے۔

صفحہ	مصرع	سطر	تصحیحات
۴۶		وفات	۱۳۱۰ھ (تقویم ھاشمی) ۱۳۱۷ھ (تذکرۂ علمائے ھند)
		۸	مزید: شیخ العالم حاجی امداداللہ ۱۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ مولانا شاہ محمد اسحاق کے شاگرد اور داماد تھے۔ آپ کے حلقۂ بیعت میں کئی برگزیدہ ھستیاں تھیں۔ ھنگامۂ غدر کے بعد گرفتاری کے خوف سے مکۂ معظمہ چلے گئے۔ آپ کی تصانیف میں غذائے روح، ضیاالقلوب اور تحفۃالعشاق نمایاں ھیں۔
۱۰			تم سا شفیع ھو جس کا مددگار یا رسول (ارمغان نعت) میرے خیال میں یوں ھونا چاھیئے تم سا شفیع جب ھو مددگار یا رسول نوٹ:- "ارمغان نعت" میں سنین اور اشعار کی بے شمار غلطیاں ھیں، حتیٰ کہ "نعت شہ کونین" کے عنوان سے مولانا سید عبدالقدوس ھاشمی ندوی کا جو مقدمہ کتاب میں شامل ھے اس میں اعشی بکر بن وائل اور ابو عزة الجمحی جیسے شعراء کے نام کے آگے "رضی اللہ عنہ" شائع ھوگیا ھے جب کہ ان میں سے ایک نے اسلام ھی قبول نہیں کیا تھا اور دوسرے نے عہد شکنی کی تھی اور بعض روایتوں کے تحت آنحضرت صلعم نے خود اسے قتل کروادیا تھا۔ حیرت ھے کہ مولانا نے انہیں صحابہ میں کیسے شامل کرلیا۔ محض نعت گوئی کی بنیاد پر (جو میرے خیال میں مصلحت کا تقاضہ تھی) انہیں یہ فضیلت عطا کرنا غور طلب ھے جب کہ شفیق بریلوی نے عربی کی اولین نعت کا شرف حاصل ھونے کے باوجود حضرت ابوطالب بن عبدالمطلب کے نام کے آگے بوجوہ "رضی اللہ عنہ" لکھنے سے احتیاطاً گریز کیا ھے۔
۴۹		۵	..... پھر مختلف ریاستوں میں رہ کر دوبارہ دھلی آ گئے۔ وضاحت:- تلاش روزگار میں الور پہنچے، جے پور میں رھے، وھاں سے نواب رامپور نے بلوالیا۔ مجروح دھلی ھی میں مدفون ھیں۔
۵۰		تخلص	زکی

صفحہ	مصرع	سطر	تصحیحات
۵۲		۱۱	پھر دہلی سے رامپور گئے (۲۴ سال رامپور میں گذارے) کچھ دن پھر دہلی میں رہے اور بعد میں . . . مزید ـ داغ سنہ ۱۸۸۸ء میں حیدرآباد دکن پہنچے تھے۔
۵۶		۱	موضع بندول نوٹ ـ تصانیف میں "شعر العجم" کا نام رہ گیا ہے۔
۵۸		۲۴	. . . غزلوں اور نظموں کے مجموعے "دیوان حالی" اور "مجموعہ نظم حالی" کے علاوہ . . .
۵۹		وفات	سنہ ۱۳۳۶ھ
۶۱		نام	شاہ احمد رضا خاں (اردو کی نعتیہ شاعری از ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔ صفحہ نمبر ۱۷۰) وضاحت ـ غالباً آن کی شخصیت کے دینی مرتبے کے احترام میں ڈاکٹر صاحب نے بھی انہیں شاہ لکھ دیا ورنہ مولانا رضا بریلوی بھڑیچ پٹھان تھے، سید نہیں تھے۔
۶۲		نام	سید علی محمد
		۲	. . . پروفیسر مسلم (تلمیذ شاد) نے آن کے خاندانی حالات . . .
		۱۶	حیاتِ فریاد
		۲۱	افسانہ صورت الخیال (۳ جلدوں میں)
۶۵		نام	شاہ ولایت علی
		۱۷	فارسی نثر میں . . .
۷۲		۶	حسن سنجری
۷۳		۱۲	ان کے دو مجموعہ کلام ہیں، سرود زندگی اور نشاط روح، جن میں "سرود زندگی" بہت مقبول ہوا۔
۷۹		۱۶	پورا کلام تین جلدوں پر مشتمل ہے۔
۸۵	۱		اگر اے نسیم سحر ترا ہو گذر دیار حجاز میں

صفحہ	مصرع	سطر	تصحیحات
۸۶		۵	علی گڑھ کالج (مسلم یونیورسٹی) سے امتیاز کے ساتھ . . . نوٹ ــ اس جملے سے ناواقف طلباء کو یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ آن دنوں علی گڑھ کالج، مسلم یونیورسٹی سے وابستہ تھا حالانکہ میرا مطلب اس کے بالکل بر عکس ہے۔ قوسین میں مسلم یونیورسٹی لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ دونوں میں ماضی و حال کا ربط ظاہر ہوجائے۔ وضاحت ــ علی گڑھ کالج کا افتتاح ۸۔ جنوری ۱۸۷۷ء کو لارڈ لٹن کے ہاتھوں ہوا۔ ۱۸۷۸ء میں اسکا الحاق کلکتہ یونیورسٹی اور بعد ازاں الہ آباد یونیورسٹی سے ہوا۔ ۱۸۸۱ء میں پہلی بار طلبا بی۔اے کے امتحان میں شریک ہوئے اور مسلم یونیورسٹی سر سید کے انتقال (۱۸۹۸ء) کے بہت بعد یعنی جنوری ۱۹۲۱ء میں باضابطہ وجود میں آئی ۔ مولانا حسرت موہانی نے ۱۹۰۳ء میں بی۔اے پاس کیا تھا۔
۸۹		۱	محمد عاشق حسین
۹۰		۶	. . . . . کی بنا پائدار کی . . . .
		۱۳	"خیام" بھی سوانحی اور تحقیقی ادب . . . .
		۱۵	معارف (دارالمصنفین) بھی . . . .
۹۲		۷	لکچرر
		۱۲	شمس کلکتوی
۹۴		۴	(ناول) ترجمہ نگار بھی . . . .
		۱۱	"معاشرت" (اس کتاب میں پانچ افسانے اور ایک ڈرامہ ہے)
		۱۳	شعری مجموعے خیالستان، بہارستان، نگارستان، چمنستان او حبیات کے علاوہ ایک مجموعہ "ارمغانِ قادیان" کے نام سے بھی موجود ہے۔
۹۷	نعت		نوٹ ــ "ارمغان آزاد" میں دومختلف مآخذوں سے درج ہے مگر صراحت نہیں۔ میں نے مولانا آزاد کے یہ نعتیہ اشعار "ارمغان نعت" سے منتخب کئے ہیں مگر گمان ہے کہ یہ "آزاد سبحانی" کی نعت تو نہیں!
۹۸		۱۱	. . . مہر صاحب . . .
۱۰۲		۱۶	غیر مطبوعہ کلام کو "شعور زیست" کے نام سے کتابی صورت . . . .
۱۰۶		۱۵	فیروز سنز کراچی . . .
۱۱۱	۱۰		آدمی مظہر کردار کا ہوتا ہے دھنی

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

شہیدی کی نعت

کرامت علی شہیدی (ابن عبدالرسول خاں) بانس بریلی کے رہنے والے تھے، لکھنؤ میں پرورش پائی اور مصحفی سے اصلاح سخن کے لیے رجوع ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد شاہ نصیر سے ایسے مستفید ہوئے کہ ان کی طرح خود بھی سنگلاخ زمینیں اختیار کیں اور ایک ایک طرح میں چو غزلہ اور پنج غزلہ بھی لکھ لیتے تھے۔ مختلف تذکروں میں ہے کہ شہیدی شروع شروع میں نیمچھ کی چھاؤنی میں ملازم ہوئے تھے۔ کمسریٹ سے تعلق تھا جس کا بہت سا روپیہ یار باشی میں اڑادیا۔ جب حساب ہونے لگا تو سخت پریشان ہوئے لیکن دفتر میں آگ لگ گئی اور خدا خدا کر کے مصیبت سے نجات ملی۔ سیر و سیاحت کا شوق تھا اور بقول صاحب گلشن بیخار، پنجاب اور گجرات کے شہروں میں بھی قیام کیا تھا اور دہلی بھی جاتے رہتے تھے۔ سنہ ۱۲۵۵ھ میں انہوں نے حج و زیارت کے لیے سفر اختیار کیا۔ کسی وقت ایک قصیدہ غرّا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں لکھا تھا جو اس طرح شروع ہوتا ہے:

رقم پیدا کیا، کیا طرفہ بسم اللہ کے مد کا
سرِ دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمدؐ کا

طلوع روشنی جیسے نشاں ہو خور کی آمد کا
ظہورِ حق کی حجت ہے جہاں میں نور احمدؐ کا

اس قصیدے میں ۳۳ اشعار ہیں۔ کچھ یہ ہیں:

دبستانِ ازل میں وہ معلم، عقل کل کا تھا
نہ تھا نام و نشاں جن روزوں اس لوح زبر جد کا

چمن پیرائے کن فرّاش جس کی بزم رنگیں میں
بہار آفرینش ایک بوٹا اس کی مسند کا

عجم میں زلزلہ نوشیرواں کے قصر میں آیا
عرب میں شور اٹھا جس وقت اس کی آمد آمد کا

شرف حاصل ہو آدم عؑ اور ابراہیم عؑ کو اس سے
نہ تنہا فخر عالم، فخر تھا اپنے آب وجد کا

اُدھر اللہ سے واصل، اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

گذر وحدت سے کثرت میں نہ ہوتا ذات مطلق کو
نہ بنتا صفر گر نقش احد پر میم احمدؐ کا

رہا کعبے میں، تیرے روضے کے در پر نہ جا پائی
اسی اندوہ سے ہے رنگ تیرہ سنگِ اسود کا

اور اس قصیدے کے آخری اشعار یہ ہیں:

مدینے کی زمیں کے گر نہ لائق ہو مرا لاشہ
کسی صحرا میں واں کے طعمہ ہوں میں دام او ردد کا

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے   قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا
خدا منہ چوم لیتا ہے شہیدی کس محبت سے   زباں پر میری جس دم نام آتا ہے محمد کا

اس قصیدے کے متعلق شہیدی کی زندگی کا سب سے اہم واقعہ یہ ہے کہ جب وہ حج کرکے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں اتنے قریب پہنچ گئے کہ روضۂ اقدس نظر آنے لگا تو انہیں اس قصیدے کے مقطع سے پہلے کا شعر یاد آیا (ع تمنا ہے درختوں پر .....) اور وہیں جان(۱) جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ یہ واقعہ ۹ صفر سنہ ۱۲۵۶ھ کا ہے لیکن حسن خاتمہ کی وجہ سے شہیدی کی مقبولیت کا اندازہ اسی بات سے کیا جاسکتا ہے کہ محسن(۲) کاکوروی اور امیر مینائی جیسے عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) شاعروں نے بھی اس قصیدے(۳) کی تقلید میں قصیدے لکھے اور نعت گوئی کی تاریخ بغیر شہیدی کے، مکمل نہیں سمجھی جاتی حالانکہ انہوں نے نعت میں بہت کم لکھا ہے۔ یعنی شہیدی کے اس قصیدے کے علاوہ نعت میں ان کی صرف ایک غزل محفوظ ہے:

ہے سورۂ والشمس اگر روئے محمد   واللیل کی تفسیر ہوئی موئے محمد
جب روئے محمد کی نظر آئی تجلی   سمجھا میں شبِ قدر ہے گیسوئے محمد
کم ساتھ ہوا روئے نکو، خوئے نکو کا   ہے نیک مگر روئے صفت، خوئے محمد
ہے سرمۂ کوری میں نہاں دیدۂ بد بیں   جس دن سے عیاں ہے رخِ نیکوئے محمد
ماہِ نوِ شوال سے عاشق کو نہیں عید   جب تک نظر آجائے نہ ابروئے محمد

---

(۱) شہیدی نے کبھی غزل میں اس طرح بھی کہا تھا:
میں ہفتۂ اول میں محرم کے مروں گا   دیکھیں کہ نہ وہ ہوں گے عزادار کئی دن
(۲) محسن کے قصیدے کا مطلع یہ ہے:
مٹادیا لوح دل سے نقش، ناموس اب وجد کا   دبستانِ محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا
اور امیر مینائی کا مطلع یہ ہے:-
تفکر امتیازِ جان و جاناں میں کیا حد کا   عروض اب تک نہ آیا ہاتھ اس بیتِ معقد کا
اور امیر نے شہیدی کے حسن خاتمہ پر رشک بھی کیا ہے:
اُن کے کوچے میں اجل کاش میسر ہوتی   میری تربت بھی شہیدی کے برابر ہوتی
(۳) سودا (المتوفی سنہ ۱۱۹۵ھ) کی ایک نعتیہ غزل اس زمین میں ہے:
دلا دریائے رحمت، قطرہ ہے آبِ محمد کا   جو چاہے پاک ہو، پیرو ہو اصحابِ محمد کا

یہ پوری غزل ظاہری خد وخال اور گیسو و ابرو کی تعریف میں ہے جو لکھنوی شعراء کا خاصہ ہے۔ ایک رباعی میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اظہار ہے:

عصیاں سے مرا دستِ امل کوتہ ہے — ہاں چشم، شفیع کی طرف گہہ گہہ ہے

ذاکر کو ہے لا الٰہ الا اللہ کا شغل — یاں ورد محمد رسول اللہ ہے

شہیدی کو نعت کا شوق شاید اس وجہ سے بھی تھا کہ وہ خود سید تھے جیسا کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت والے ایک قصیدے میں کہا ہے:

شہیدی مصطفیٰ کا لاڈلا، حیدر کا پیارا ہوں(۱) — مجھے کیا خوف ہے بردہ ہوں میں شاہِ شہیداں کا

شہیدی کے دیوان میں قصیدے، خمسے، غزلیں، رباعیاں، مثنویاں اور قطعات بھی ہیں۔ فارسی شعراء میں سے انہوں نے صرف جامی (المتوفی سنہ ۸۹۸ھ) کی ایک نعتیہ غزل (۲) پر نعتیہ خمسہ لکھا ہے جو اِس طرح شروع ہوتا ہے:

بادشاہی سے تو بہتر ہے مجھے رنج کشی — شہدِ ہمت سے بھی شیریں ہے مجھے تلخ چشی

عقلِ کل کو ہے تمنا مری دیوانہ وشی — اے حبیبِ عربی، مدنی قرشی

کہ بود دردِ غمت مایۂ صد عیش و خوشی

جامی کی تقلید شہیدی یا کسی اور شاعر کے لیے آسان نہیں۔ انہوں نے ایسے خیالات اور جذبات کو نظم کیا ہے کہ وہ دوسروں کے یہاں بمشکل نظر آتے ہیں۔ مثلاً:

وحدتِ مستور در مطاویِ کثرت بارِ دگر سر زد از لباسِ محمد

گر بمراحل ز عرش دارمش اعلیٰ نیست غلو در علوِ شانِ محمد

السلام اے آنکہ تا از جبہۂ آدمؑ نتافت — نورِ پاکش کس نبرد از قدسیاں او را سجود

دریای امکان و قدم بودند در طغیاں بہم — او درمیاں شان از کرم شد برزخِ لا یبغیان

رویش آں مظہرِ صافیست کہ درصورتِ اصل — آشکار است از و عکسِ جمالِ ازلی

---

(۱) شہیدی کا یہ مقطع سید حسن غزنوی (المتوفی سنہ ۵۵۶ھ) کے اس مطلع سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے:

داند جہاں کہ قرۃ عینِ پیمبرم — شایستہ میوۂ دل زہرا و حیدرم

(۲) ایک غزل میں شہیدی نے جامی سے مستفید ہونے کا اس طرح ذکر کیا ہے:

لکھ شہیدی وہ غزل جس کے صلے میں تجھ کو — مرشدِ جام سے ہردم ملے انعامِ شراب

ایسے اشعار جامی کے یہاں عام ہیں اور بالخصوص آن قصائد، ترجیع بند اور ترکیب بند میں زیادہ ہیں جو انہوں نے مدینہ منورہ کی راہ میں لکھے تھے اور جن میں دجلہ، بغداد، کربلا وغیرہ کی حاضری کا ذکر بھی ہے۔ خاقانی (المتوفی سنہ ۵۸۲ھ) کی طرح جامی نے بھی ایک قصیدہ اس زمین میں لکھا تھا:

معلم کیست؟ عشق و کنج خاموشی دبستانش　　سبق نادانی و دانا دلم طفل سبق خوانش

ز هر کس ناید این استاد شاگردی، نہ هر کوئے　　بدخشان باشد و هر سنگ پارہ لعل رخشانش

زبان جز بے زبانی نیست این نادر معلم را　　دریغا در همہ عالم ندانم کس زباندانش

سبحان اللہ کیا تخیل ہے اور "اُمّی" کی تعلیل کس خوبی سے کی ہے!۔ شہیدی صرف سیدھے سادے طریقے سے کہہ سکتے تھے کہ:

دبستان ازل میں وہ معلم، عقل کل کا تھا　　نہ تھا نام و نشاں جن روزوں اس لوح زبر جد کا

جامی نے بارہا اس طرح کی تشبیہہ سے کام لیا ہے:

مطلع: صبح صفاست روے محمّد　　منبع احسان و لطف خوے محمّد

و الضحیٰ را کہ واضحش رخ تست　　سورۃ اللیل بر کنار نوشت

دو چشم نرگسینش را کہ ما زاغ البصر خواندند　　دو زلف عنبر نیش را کہ واللیل اذا یغشیٰ

شہیدی صرف اتنا کہہ سکتے تھے:

ہے سورۂ والشمس اگر روئے محمّد　　واللیل کی تفسیر ہوئی موے محمّد

ابھی جامی کا ایک شعر مذکور ہوا۔ یعنی:

دریای امکان و قدم بودند در طغیان بہم　　او درمیان شان از کرم شد برزخ لا یبغیان

شہیدی بھی اسی مضمون کو لیتے ہیں:

ادھر اللہ سے واصل، اِدھر مخلوق میں شامل　　خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

لیکن شہیدی نے لکھا ہی کیا تھا اور لکھتے ہی کیا، وہ تو خداداد مقبولیت ہے جو انہیں مدینہ منورہ میں حاضری اور جاں سپاری سے حاصل ہوئی تھی اور بس۔

صَلٰوۃُ اللہ من رَبٍّ رَّحیمٍ
عَلَیْہِ لَا تَحَوُّلَ وَلَا تَزُوْلَ

ڈاکٹر شاہ محمد نعیم ندوی
شعبۂ اردو ۔ سندھ یونیورسٹی

امیر مینائی کی نعت گوئی

داغ کے ممتاز معاصر امیر مینائی اردو غزل گوئی میں ایک خاص مقام کے مالک ہیں۔ ہمیں ان کے ابتدائی کلام میں ان کا اپنا الگ ایک رنگ ملتا ہے لیکن بعد میں داغ کی بے پناہ مقبولیت سے متاثر ہوکر انہوں نے داغ کے مخصوص رنگ میں بھی غزلیں کہیں۔ چنانچہ ان کے آخری دور کے کلام میں ہمیں اسی شوخی، چھیڑ چھاڑ اور معاملہ بندی کا احساس ہوتا ہے جو رنگ، داغ کی بنیادی خصوصیت ہے۔

امیر احمد مینائی ۱۶ شعبان ۱۲۴۲ھ (مطابق ۱۸۲۶ء) کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد کرم احمد مینائی کی سرپرستی میں حاصل کی۔ کرم احمد مینائی علوم ظاہر و باطن کی وجہ سے لکھنؤ میں مشہور تھے اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اکثر لوگ استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ اپنے والد کے علاوہ امیر مینائی نے علمائے فرنگی محل سے بھی اکتساب فیض کیا۔ گھر کی علمی فضا اور لکھنؤ کے شاعرانہ ماحول نے ان کے اندر شعر گوئی کا ذوق پیدا کیا اور انہوں نے اس وادی میں رہنمائی کیلئے مشہور شاعر مظفر علی خاں امیر لکھنوی کی خدمت میں حاضری دی اور انہیں سے مشورۂ سخن کرنے لگے۔ گھر کی تربیت، مطالعہ کے شوق اور امیر کی اصلاح کے نتیجے میں انہوں نے فن شاعری اور زبان و بیان پر بہت مہارت حاصل کرلی۔ اپنے استاد امیر لکھنوی کی وساطت سے وہ واجد علی شاہ کے دربار سے وابستہ ہوگئے۔ اسوقت ان کی عمر تقریباً چھبیس ستائیس سال تھی۔ امیر مینائی نے دو کتابیں ارشاد السلطان اور ہدایت السلطان لکھکر واجدعلی شاہ کی خدمت میں پیش کیں۔ یہ کتابیں اب نایاب ہیں۔ ان کے ابتدائی مجموعہ کا نام بہارستان تھا جو ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں ضائع ہوگیا۔ جب واجدعلی شاہ معزول کردیئے گئے تو امیر مینائی لکھنؤ چھوڑ کر کاکوری چلے گئے جہاں ان کی ملاقات محسن کاکوروی سے ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ محسن کاکوروی کی صحبت میں امیر مینائی کے اندر نعت گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے محسن کی بہت ساری نعتوں کی تظمین کی۔

واجدعلی شاہ کی معزولی کے بعد امیر مینائی نے برطانوی سرکار میں ملازمت حاصل

کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں ان کو کامیابی نہ ہوسکی۔ اسی اثناء میں والی رامپور نواب یوسف علی خاں نے انہیں اپنے یہاں بلوالیا۔ یہاں انہوں نے اپنا ایک دیوان مرتب کیا اور اسکا نام مراۃ الغیب رکھا۔ مراۃ الغیب میں غزلوں کے علاوہ نعتیہ اشعار بھی ہیں۔ نواب یوسف علی خاں کے انتقال کے بعد نواب کلب علی خاں کا دور شروع ہوا تو امیر مینائی کو ملک الشعرا کا خطاب عطا ہوا۔ نواب کلب علی خاں کو شعرو شاعری کا بھی شوق تھا اور وہ امیر مینائی سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ امیر نے یہیں ۱۸۷۳ء میں تذکرۂ کاملان رامپور "انتخاب یادگار" کے نام سے لکھا۔

امیر مینائی کو نواب کلب علی خاں کے یہاں دو سو سولہ روپے ماھانہ تنخواہ ملتی تھی۔ اسکے علاوہ چار پانچ ہزار روپے سالانہ بھی مل جاتے تھے۔ امیر نے ۱۸۸۴ء میں ایک بہت ھی اھم یعنی امیرالغات کی تدوین کا کام شروع کیا۔ لیکن بیچ میں کچھ ایسی بات ھوئی جسکی وجہ سے دربار رامپور سے ان کا تعلق ختم ھوگیا اور وہ لکھنؤ واپس آگئے۔ اور اسطرح لغت کا کام ادھورا رہ گیا۔

امیر مینائی نے لکھنؤ میں ۱۸۸۵ء میں دامن گلچیں کے نام سے ایک ماھنامہ جاری کیا۔ یہ وہ زمانہ ھے جہاں سے ان کی شاعری کا دوسرا دور شروع ھوتا ھے۔ ایک سال بعد انہیں پھر رامپور بلالیا گیا اور وہ لغت کو تکمیل تک پہنچانے میں مصروف ھوگئے۔ لیکن دوھی سال بعد یعنی ۱۸۸۷ء میں نواب کا انتقال ھوگیا اور ریاست کے مدار المھام عظیم الدین خاں نے امیر مینائی کی تنخواہ میں تخفیف کردی جس نے امیر مینائی کو دل برداشتہ کردیا۔ اور اسطرح لغت کا کام پھر ادھورا رہ گیا۔ لوگوں کا خیال ھے کہ اگر امیر مینائی اس لغت کو مکمل کرلیتے تو یہ کتاب اردو زبان میں ایک گرانقدر اضافہ ھوتی۔

سنہ ۱۹۰۰ء میں نظام حیدرآباد میر محبوب علی خاں کی دعوت پر دکن کا رخ کیا لیکن اس سے پہلے کہ انہیں دربار میں کوئی خدمت ملے وہ ۲۰ جمادی الآخر ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ع کو انتقال کرگئے۔ امیر کے مزار پر یہ شعر کندہ ھے:

ابھی مزار پہ احباب فاتحہ پڑھ لیں
پھر اسقدر بھی ھمارا نشاں رھے رھے نہ رھے

امیر مینائی کی تصانیف کی تعداد خاصی ھیں۔ ان میں مذکورۂ بالا تصانیف کے علاوہ غیرت بہارستان، سرمہ بصیرت، بہار ھند، نور و تجلی اور ابر کرم (مثنویاں) نماز کے اسرار، شعلہ جوالہ، محامد خاتم النبیین، خیابان آفرینش، صنم خانۂ عشق، اور نعتیہ مسدس صبح ازل

شام اودھ، لیلۃ القدر اور ذکر شاہ انبیاء اہم شعری و نثری تصانیف ہیں۔ امیر مینائی نے پانچ مذہبی قصائد لکھے جن میں تین نعتیہ قصیدے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ غزل گوئی امیر مینائی کا بڑا محبوب مشغلہ ہے اور اس صنف میں انہوں نے اپنے لئے ایک قابل رشک مقام پیدا کرلیا ہے۔ اس عہد میں داغ جیسے مقبول شاعر کے مقابلے میں امیر کی شاعرانہ کامیابی یقیناً ان کی زبان دانی اور فنی صلاحیت کی دلیل ہے۔ اگر داغ اپنی شوخی اور لہجے کے تیکھے پن کیلئے مشہور ہیں تو امیر شوخی کے ساتھ ساتھ لہجے کی نرمی، ملائمت اور سنجیدگی میں آپ اپنا جواب ہیں۔ لہجے کی یہی وہ نزاکت، لطافت اور سنجیدگی ہے جو ان کے نعتیہ کلام کو رفعت عطا کرتی ہے۔ امیر کی پاکبازی اور مذہب سے غیر معمولی لگاؤ نے ان کی نعتیہ شاعری میں خلوص اور اثر پیدا کردیا ہے۔ اور اس اعتبار سے اس میں کوئی کلام نہیں کہ انہوں نے نعتیہ اشعار رسماً نہیں بلکہ عقیدتاً کہے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کی نعتیہ شاعری کی اثر انگیزی کوئی تعجب کی بات نہیں اسلئے کہ از دل خیزد بر دل ریزد۔

امیر مینائی کو زبان و فن پر بڑی قدرت حاصل ہے۔ صفائی و سلاست کے ساتھ ساتھ تشبیہ و استعارہ اور صنائع بدائع کے برمحل استعمال سے ان کے شعروں میں بڑی دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ خصوصیاتِ شاعری ان کے نعتیہ کلام میں بھی بھر پور انداز سے اپنا جلوہ دکھاتی ہیں۔ ان کے ایک ایک شعر سے اس والہانہ عقیدت کا اظہار ہوتا ہے جو انہیں خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم کی ذاتِ مقدس سے تھی۔ اس سلسلے میں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

خلق کے سرور، شافعِ محشر صلی اللہ علیہ و سلم
مرسلِ داور، خاص پیمبر صلی اللہ علیہ و سلم

نور مجسم، نیر اعظم، سرور عالم، مونسِ آدم
نوحؑ کے ہمدم، خضر کے رہبر صلی اللہ علیہ وسلم

بحرِ سخاوت، کانِ مروت، آیۂ رحمت، شافعِ امت
مالکِ جنت، قاسم کوثر صلی اللہ علیہ و سلم

ان کی بعض نعتیں ایسی ہیں جو اپنے تسلسل اور فکری ہم آہنگی کی وجہ سے بڑی دلکشی رکھتی ہیں اور ہر لحاظ سے قابلِ ذکر ہیں۔ اس کی تصدیق میں مندرجہ ذیل اشعار پیش کئے جاتے ہیں:

خاتم الانبیا جناب ہوئے   خیل انجم میں آفتاب ہوئے
جتنے بھیجے خدا نے پیغمبر   سب کے سب یوں تو لاجواب ہوئے
موسیٰؑ و نوحؑ و عیسیٰؑ و آدمؑ   ایسے دس بیس انتخاب ہوئے
پایا کتنوں نے امتیاز صحف   کچھ نبی صاحب کتاب ہوئے
پر محمدؐ کہ ہیں حبیب خدا   سب رسولوں میں انتخاب ہوئے
کیسے اچھے رہے "امیر" جو لوگ   داخل امت جناب ہوئے

امیر مینائی کے نعتیہ کلام کے بغور مطالعہ سے اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اگر وہ اور کچھ نہ کرتے اور صرف نعتیہ اشعار لکھتے جب بھی اردو ادب میں زندہ رہتے۔ ان کی نعتیہ شاعری اپنے لہجے، زبان کی چاشنی اور فنی خوبیوں کی وجہ سے اردو ادب میں ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے۔ اس لحاظ سے امیر مینائی کا شمار اردو کے بہترین نعت گو شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری اس لائق ہے کہ تفصیل سے اسکا جائزہ لیا جائے لیکن طوالت کے خوف سے یہاں چند اشعار پر یہ مضمون ختم کرتا ہوں:

کیا تمام زمانہ شعاع سے روشن   ہوا طلوع وہ شمس الضحیٰ کہ صل علیٰ
جبیں وہ لوح کہ جس میں نقوش رحمت حق   جمال پاک وہ نور خدا کہ صل علیٰ
ادھر بھی اک نگہ لطف عام ہوجائے   کہ عاشقوں میں ہمارا بھی نام ہوجائے
میں قائل آپ کے روضہ کا ہوں وہ قائل طور   کلیم سے نہ کسی دن کلام ہوجائے

یہاں "کلیم سے کلام ہو جائے" میں جو لفظی رعایت رکھی گئی ہے وہ امیر مینائی کی فنی خوبی پر دال ہے۔

مدینے جاؤں پھر آؤں دوبارہ پھر جاؤں   تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے
کہتا ہے مہر مہ سے رخ دیکھکر نبی کا   تو شام سے ہو قرباں میں ہوں سحر سے صدقے
اب کہاں چین خبر دی مرے جی نے مجھکو   کہ مدینے میں بلایا ہے نبی نے مجھکو
شوق محبوب الٰہی میں نہیں صبر کی تاب   لے چل اے جذبۂ دل جلد مدینے مجھکو
اب نہ ٹھہروں جو کرے میری خوشامد بھی وطن   کہ پکارا ہے غریب الوطنی نے مجھکو

———

ڈاکٹر نجم الاسلام
شعبۂ اردو - سندھ یونیورسٹی

اردو نعت کے مطالعے

اس مضمون کا مقصد ایسے مقالات اور مضامین کا اجمالی جائزہ پیش کرنا ہے جن میں نعتیہ اردو شاعری کو موضوع تحقیق بنایا گیا ہے یا ضمناً اس موضوع سے متعلق مفید اور غور طلب نکات پیش کئے گئے ہیں، تاکہ اس موضوع سے متعلق اہم تحقیقی و تنقیدی مسائل و مباحث سامنے آسکیں اور موثر میلانات و رجحانات کی نشان دہی ہوسکے۔ آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ کون سے پہلو اب بھی توجہ طلب اور تشنۂ تحقیق ہیں جن پر کام ہوسکتا ہے۔

اس جائزے کو شعر الہند سے شروع کیا جاتا ہے جس کے حصہ دوم میں مذہبی شاعری کے عنوان سے ایک مستقل باب ہے جس میں اردو کی نعتیہ شاعری سے بحث کی گئی ہے۔ اس بحث میں عبدالسلام ندوی کے اہم نکات یہ ہیں کہ نعت میں زیادہ وسعت پیدا کرنے اور شاعرانہ رنگ کی آمیزش کرنے والے غلام امام شہید ہیں (ص ۱۷۴)۔ داغ و تسلیم نے تو اس طرف توجہ ہی نہ کی البتہ جلال و امیر نے آخر عمر میں اس طرف زیادہ توجہ کی (ص ۱۷۸، ۱۷۹)۔ محسن نے اس مقدس موضوع کے متعلق لکھنؤ کی برخود غلط شاعری کا استعمال اور بھی غلط طریقے سے کیا۔ لکھنوی خصوصیات نے ان کے کلام کو اس قدر بے اثر کردیا ہے کہ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں کسی مذہبی جذبے سے متاثر ہوکر لکھتے ہیں۔ اور یہ کہ اس دور کی نعتیہ شاعری کی مشترکہ خصوصیات یہ ہیں کہ (۱) رسولؐ اللہ کی شان میں عاشقانہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں (۲) معنی سے زیادہ الفاظ پر زور دیا گیا ہے (۳) بہت سی موضوع روایتیں اور فرضی معجزات نظم کیے گئے ہیں (۴) شاعرانہ مبالغہ طرازیوں میں صحیح واقعات کی بھی صورت بدل گئی ہے (ص ۱۸۲، ۱۸۳)۔ حالی کی نعتیہ شاعری کے بارے میں ان کی رائے ہے کہ مسدس میں شعرائے دور جدید کے لیے نعتیہ شاعری کا بہترین نمونہ قائم کیا۔ اردو میں اس سے زیادہ صحیح، زیادہ مستند اور زیادہ پر اثر کوئی نعتیہ نظم نہیں (ص ۱۸۳)۔ لیکن بہتوں نے بہترین نمونے کی پیروی نہیں کی۔ باایں ہمہ دور جدید کے شعرا کی نعتیہ نظمیں قدما و متاخرین کی نعتیہ نظموں سے زیادہ پرعظمت، زیادہ متین اور زیادہ موثر ہیں (ص ۱۸۵)۔ اس جائزے سے نعتیہ اردو شاعری کے متعدد اہم مباحث سامنے آئے اور رجحانات کی نشان دہی ہوئی۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے بھی اپنے مقالۂ تحقیق "لکھنؤ کا دبستان شاعری" میں اردو نعت گوئی کی طرف مناسب طور پر توجہ دی ہے۔ مصحفی (ص ۲۲۵، ۳۰۳، ۳۱۱)، رنگین (ص ۳۴۸) اور منیر (ص ۴۷۴) کے نعتیہ کلام کے جستہ جستہ ذکر کے علاوہ، محسن، مضطر اور جلیل کی نعت گوئی کا جائزہ بھی لیا ہے اور اس ذیل میں اردو نعت گوئی سے متعلق بعض ایسے نکات پیش کیے ہیں جنہیں بعد کے ارباب تحقیق نے قبول کرکے اپنے اپنے مطالعات میں جگہ دی ہے۔ اجمالاً وہ نکات یہ ہیں: محسن سے قبل ایسے شعراء نہیں ملتے جن کا مسلک شعری محض نعت گوئی رہا ہو (ص ۵۴۵)۔ نعت گوئی اگرچہ ہمیشہ سے موجود تھی لیکن اسے فن کی حیثیت سے کسی اردو شاعر نے محسن سے پہلے اختیار نہیں کیا اور جن لوگوں نے عقیدت کی بنا پر صرف نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا انہوں نے کوئی شاعرانہ کمال پیدا نہیں کیا (ص ۵۴۵)۔ غزل گویوں نے بالعموم اپنے دواوین اور کلیات کی ابتدا حمد سے کی ہے اور حمد کے بعد عموماً نعت اور اکثر اوقات منقبت کو جگہ دی ہے لیکن یہ چیز کلیتہً رسمی تھی (ص ۵۴۵)۔ نعت گو شعراء کی دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو شاعر نہیں تھے اور نہ کبھی شاعرانہ کمال کے مدعی ہوئے (ص ۵۴۵)۔ شہید اور اکبر کو وہ انہی شعراء کی صف میں شامل کرکے کہتے ہیں کہ ان کا نعتیہ کلام عام طور پر میلاد کی مجلسوں میں پڑھاجاتا ہے اور لکھنے والوں کے جذبات موقعے کی مناسبت سے تھوڑی دیر کے لیے سامعین کے قلوب میں اتر جاتے ہیں (ص ۵۴۶)۔ وہ یہ رائے بھی ظاہر کرتے ہیں: لکھنوی عناصر خارجیت، نسائیت اور ابتذال کا محسن کے کلام میں نہ ہونا نعت گوئی کے اثرات میں سے ہے (ملخصاً ص ۵۴۸، ۵۴۹)۔ صاحب مقالہ نے محسن کی نعت گوئی کو اس لحاظ سے بھی قابل قدر قرار دیا ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر نظر رکھتے ہیں، قدم حدود شریعت سے باہر نہیں نکلتا، اسکے باوجود وہ شاعری اور وعظ کا فرق ملحوظ رکھتے ہیں۔ ان کی رائے میں محسن نے اپنے نعتیہ کلام میں شاعری اور مذہب کے امتزاج کا ایسا دلکش نمونہ پیش کیا ہے کہ مادیت اور الحاد کے اس دور میں بھی جسکی جاذبیت اور کشش باقی ہے (ص ۵۶۰)۔ ایک اور خوبی جو نعت گوئی کے اثر سے ہے محسن کے کلام کی رجائیت ہے (ص ۵۷۱)۔ ان کی رائے میں دبستان لکھنؤ میں محسن کے بعد دوسرا مقبول ترین نعت گو شاعر مضطر ہے جس کے نعتیہ دیوان اور بعض مشہور نعتیہ مسدسات کے علاوہ، اس کثیراللسان نعت کی نشان دہی بھی کی ہے جو یوں شروع ہوتی ہے:

وصفت ز بشر ہم ناممکن ہم نے ممدوح خدا جانا

اور جس کی تقلید میں لکھی ہوئی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعت اپنے پیشرو سے

بھی زیادہ مشہور مقبول ہوئی۔ (۱)

ڈاکٹر اعجاز حسین کے مقالۂ تحقیق "مذہب و شاعری" میں بھی اردو نعت سے متعلق کچھ اشارات ملتے ہیں جو مختصراً یہ ہیں۔ "قصیدہ اور مذہب کے ذیل میں وہ کہتے ہیں کہ قصیدے پر متشرع عقائد کا غلبہ ہے۔ رسولؐ خدا جمیع اوصاف و کمالات کے حامل تھے۔ ان خیالات کی بنیاد اتنی مستحکم اور پر از جذبات ہے کہ ممدوح کی جتنی بھی تعریف مداح کرتا ہے سیری نہیں ہوتی۔ یہی نہیں کہ شعراء رسولؐ خدا سیرت و خصوصیات کو انتہائی فکر کے ساتھ بیان کرنا مستحسن سمجھتے ہیں بلکہ پیکر کے علاوہ ملبوس و مرکب کو بھی ممدوح کی چیز سمجھ کر عزیز رکھتے ہیں اور ان کی تعریف میں مضامین کے دریا بہا دیئے گئے ہیں (ص ۱۸۱، ۱۸۲)۔ نعتیہ غزل کا اول تو مشاعرہ بہت کم ہوتا ہے اور پھر اس کے اشعار بھی عام غزلوں کی طرح ایک دوسرے سے بے تعلق ہوتے ہیں۔ اس عدم تسلسل کے ساتھ کسی مذہبی امر کو بیان نہیں کیا جاسکتا (ص ۱۷۴)۔ اسی خیال کے تحت مقالہ نگار نے غـزل اور مذہب کے باب میں نعت گوئی کو نظرانداز کردیا ہے جو ایک بڑی کمی اس مقالے کی ہے۔ مقالہ نگار نے حمد کے ساتھ غیر ضروری طور پر نعتوں کو شامل کر کے ایک نکتہ یہ بھی پیش کیا ہے کہ حمد و نعت و منقبت کے قصیدے اس عقیدے کے ساتھ کہے جاتے تھے کہ قصر جناں، حور، بہشت، کوثر و سلسبیل سے حسب مدح سرفراز کیے جائینگے (ص ۱۸۴) حالانکہ نعتیہ قصائد میں، جہاں تک ہمارے علم میں ہے کسی شاعر نے اپنے ممدوح سے طلب حور و قصور نہیں کی جو انعامات الہیہ ہیں، البتہ شفاعت اور رحمت کی نظر کی طاب کی ہے کیونکہ آپؐ رحمۃ العالمین اور شافـع محشر ہیں۔ مقالہ نگار نے نعتیہ و منقبتیہ قصائد میں مـدح میں مبالغے کا جواز یہ پیش کیا ہے کہ لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید۔ جب دنیاوی معشوقوں اور عاشقوں کے لیے ہمارا یہ رویہ عملاً ہو سکتا ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں جن اشخاص کو شعرا ہر لحاظ سے افضل و برتر سمجھتے تھے اور جن کی موانست کو روحانی معراج جانتے تھے ان کی مدح کو عقیدت و محبت کی ترجمانی کیوں نہ سمجھا جائے (ص ۱۸۵)۔ قصیدے کی غیر مشروع تشبیب کے معاملے میں وہ امیر مینائی کی اس رائے کے مؤید ہیں کہ عمدہ تر سند اس کے جـواز کی یہ ہے کہ حضرت سرور کائنات کے حضور میں ایسا قصیدہ

(۱) مخدوم اللہ بخش کھڑوی مولف تذکرہ "مخادیم کھہڑا" کی بھی، اسی انداز کی ایک چہار لسانی نعت ملتی ہے جو بیک وقت عربی، فارسی، سندھی اور اردو میں ہے۔

پڑھا گیا جسکی تشبیب مشروع نہیں ہے۔ اسکے بعد وہ یہ بھی صراحت کرتے ہیں کہ محسن کے بعد اس قسم کی تشبیب کہیں اور نظر نہیں آتی۔ غالباً ایک مذہبی خلش ضرور کار فرما تھی۔ اس اندیشہ بیجا نے نعتیہ شاعری میں اس طرز تخیل کو روک دیا (ملخصاً ص ۱۹۷، ۱۹۸)۔ منیر و محسن کی نعتیہ مثنویوں کی تحسین کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ یہ صرف مذہب ہی کا فیض تھا کہ بزرگان دین کی خصوصیات اور کارنامے شاعرانہ لطافتوں کے ساتھ مثنوی میں داخل ہو سکے۔ مرسمی لغت گوئی کا ایک افادی پہلو مقالہ نگار نے یہ پیش کیا ہے کہ اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ رسولؐ اللہ اور بزرگان دین کی سیرت و کردار پر روشنی پڑتی رہتی اور شعوری یا غیر شعوری طریقے پر سیرت یا کردار نگاری کی صلاحیت کو قوت حاصل ہوتی رہی (ص ۲۲۱)۔ علیٰ ھذا سراپا نگاری یا حلیہ نگاری کے فن کو بھی نعتیہ مثنویوں سے ترقی ہوئی ہے (ص ۲۲۳، ۲۲۴)۔ ان کے خیال میں خدا اور رسولؐ کی عظمت و احسان کے اظہار میں مسمط میں شعراء نے زیادہ کامیابیاں حاصل کی ہیں (ص ۲۵۸)۔ نعتیہ مسمطوں میں اکثر رسولؐ اکرم سے خطاب کر کے عرض حال کیا گیا ہے جس سے بے چارگی و بے بسی میں اپنی مصیبتوں کا اچھے الفاظ میں خدا و رسولؐ سے بیان کردینے میں تسکین قلب ہو جاتی اور مقصد برآری کی بھی امید ہو جاتی (ملخصاً ص ۲۵۹)۔

اب ہم دو ایسی اہم، بلکہ اہم ترین تصانیف کی طرف آتے ہیں جن کا موضوع مخصوصاً اردو کی نعتیہ شاعری ہے۔ ان میں ضخیم اور مقدم ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کا مقالۂ تحقیق "اردو میں نعتیہ شاعری" ہے۔ یہ اس موضوع پر پہلا تحقیقی مقالہ ہے۔ اس پر ناگپور یونیورسٹی نے فاضل مصنف کو ۱۹۵۵ء میں پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری عطا کی مگر اسکی طباعت و اشاعت کی نوبت ۱۹۷۶ء میں آئی۔ اور اس سے دو سال پہلے ۱۹۷۴ء میں ڈاکٹر فرمان فتحپوری کی کتاب "اردو کی نعتیہ شاعری" طبع ہو کر لاہور سے شائع ہوئی اور یوں اشاعت کے اعتبار سے اسے تقدم کی فضیلت حاصل ہے، چنانچہ اولاً اسی کے مندرجات کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر فرمان فتحپوری کی اس کتاب کا نصف اول (ص ۱۱۸ تک) نعتیہ شاعری سے متعلق مباحث اور معلومات پر مبنی ہے، بقیہ نصف نعتیہ شاعری کے منتخبات پر مشتمل ہے۔ شروع میں فہرست ماخذ ہے جسمیں ملفوظات شاہ عبدالعزیز اور دو رسائل کے سیرۃ نمبروں کو چھوڑ کر باقی کلیات و دواوین یا نعتیہ مجموعے ہیں۔ کتاب کے مقدمے میں فاضل مصنف

نے صراحت کی ہے کہ ان کی یہ کتاب نعتیہ شاعری کے موضوع پر کوئی محققانہ کتاب یا اردو کی نعتیہ شاعری کی تاریخ یا جامع تنقیدی تصنیف نہیں ہے بلکہ اردو کی نعتیہ شاعری کا ایک سرسری مبصرانہ جائزہ ہے، لیکن یہ نعت کے بارے میں چند تحقیقی نوعیت کے سوالات ضرور اٹھاتی ہے۔ اسکے تنقیدی مباحث میں نعت گوئی کے فن، اسکے موضوع، ارتقاء، محرکات و عوامل، اور مقبولیت و اہمیت کے بارے میں مفید معلومات پیش کی گئی ہیں۔ پہلا باب نعت اور عقیدۂ رسالت، نعت کی تعریف، ہیئت اور موضوع کی اہمیت سے متعلق ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ نعت کا لفظ کسی ہیئت کی طرف نہیں بلکہ صرف موضوع کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس میں آنحضرتؐ کی زندگی اور سیرت کے توسط سے انسانی زندگی کے سارے ثقافتی و تہذیبی پہلو اور سماجی و سیاسی مباحث در آئے ہیں۔ مصنف نے ناقدین سے بجا طور پر یہ شکایت بھی کی ہے کہ وہ نعتیہ شاعری کو موضوعاتی شاعری سمجھ کر نظرانداز کرتے ہیں یا بےدلی و تنگ نظری کے ساتھ توجہ کرتے ہیں کیونکہ نام نہاد آزاد خیال شعراء کے نزدیک شاعری میں مذہب کا نام لینا تنگ نظری اور اس کے پیغام کو عام کرنا رجعت پسندی اور آنحضرتؐ کی سیرت و سوانح یا اسوۂ حسنہ کو شعر کا موضوع بنانا غیر شاعرانہ بات ہے۔ حالانکہ اردو میں نعت کے موضوع کو بعض شعراء نے بڑے سلیقے سے برتا ہے اور خاصا بڑا شعری ذخیرہ نعت گوئی کے رسمی لوازم ہی نہیں، محاسن شعری کے اعتبار سے بھی شاعری کے مروجہ معیاروں پر پورا اترتا ہے (ملخصاً ص ۲۷، ۲۸)۔

دوسرا باب عربی و فارسی نعت اور اردو پر اس کے اثرات کے موضوع پر ہے اور مصنف نے یہ نتائج اخذ کیے ہیں کہ معنوی حیثیت سے اردو نعت گوئی نے عربی سے کہیں زیادہ فارسی کا اثر قبول کیا ہے (ص ۳۲) بالخصوص امیر خسرو کی نعتیہ شاعری (ص ۳۴) اور جامی اور قدسی کی نعت گوئی نے بھی گہرا اثر ڈالا ہے (ص ۳۵)۔

تیسرے باب میں اردو نعت گوئی کی مقبولیت اور اسکے اسباب و محرکات سے بحث ہے، جسکے تحت علما و صوفیہ کی نعت سے دل چسپی، نعتیہ مشاعروں، محافل میلاد، اجتماعاتِ سیرۃ، محافل سماع کا ذکر بھی آتا ہے اور محرکات کے ذیل میں اولین محرک یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرتؐ کا ذکر اذکار کرنا، سیرۃ نبوی سے عوام الناس کو روشناس کرانا، پیروی و تقلید کی ترغیب دینا اور درود و سلام بھیجنا کار ثواب اور ذریعۂ نجات ہے (ص ۳۹)۔ دوسرا بڑا محرک علماء صوفیہ کا نعت گوئی سے شغف ہے جنہوں نے خود نعتیں کہی ہیں، ارادت مندوں نے نعت خوانی، نعتیہ مشاعروں اور نعتیہ گل دستوں کو مشغلہ بنایا ہے (ص ۴۱)۔ تیسرا

بڑا محرک میلاد شریف کی محفلوں کا انعقاد رہا ہے جو پہلے بکثرت ہوتی تھیں اور اب ان میں کچھ کمی واقع ہوگئی ہے (ص ۴۰)۔ قوالی یا سماع کی محفلیں بھی ایک قوی تر محرک کی حیثیت رکھتی ہیں (ص ۴۱)۔

چوتھے باب میں اردو کی نعتیہ شاعری کا مبصرانہ جائزہ ہے جس کے مباحث یہ ہیں: رسمی نعت گوئی اور اس کی مختلف صورتیں، اردو میں حقیقی نعت گوئی کے دور کا آغاز، محسن، امیر، حالی، ظفرعلی خاں کی نعتیہ شاعری، اقبال کی شاعری اور نعت کے موضوع سے اس کا رشتہ، بعض عالم شاعر اور ان کا نعتیہ کلام، دتو رام کوثری، منظوم تاریخ اسلام و سیرۃ نبوی کے مختلف مجموعے اور شاہنامۂ اسلام، عہد حاضر کے بعض نعت گو شعرا۔ مصنف کے خیال میں پرانے شعراء میں صرف دو نام ایسے ہیں جنکی بدولت نعت گوئی کا معیار قدرے بلند ہوا ہے، شہیدی اور شہید، مگر کامیاب ترین دور حقیقۃً محسن اور امیر سے شروع ہوتا ہے۔ ان شعراء کے کلام کے تعارف اور تجزیے کے بعد وہ مسدس حالی کے نعتیہ بندوں کی تحسین کرتے ہیں (ص ۷۳)۔ حالی کے بعد نعت کے دو موضوعات اور اسلامی قدروں کے مؤید شعراء میں اقبال اور ظفرعلی خاں کا ذکر ہے اور صوفی شعراء میں شاہ نیاز بریلوی اور بیدم وارثی کا۔ علمائے دین میں ممتاز ترین نعت گو مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے بھائی حسن رضا خاں بریلوی کا ذکر ہے۔ دیگر نعت گو شعراء میں جن کا ذکر مصنف نے کیا ہے، اکبر میرٹھی، حفیظ جالندھری، ضیاء القادری، ماہر القادری، محشر رسول نگری اور عبدالعزیز خالد شامل ہیں۔

غرض کہ ضخامت میں کم ہونے کے باوجود اس کتاب میں بہت مفید معلومات و مباحث ہیں۔ توقع رکھنی چاہئے کہ فاضل مصنف اس عمدہ اور مفید تصنیف کی طبع ثانی کے وقت تحقیقی پہلو پر مزید توجہ دیں گے اور تحقیقی نوعیت کے ان سوالات کا جنہیں خود انہوں نے کتاب کے مقدمے میں اٹھایا ہے حل پیش کریں گے۔

اور اب ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کے مقالۂ تحقیق "اردو میں نعتیہ شاعری" کے مباحث کا ایک تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ یہ اپنی ضخامت (۶۸۴ صفحات)، طویل فہرست مشمولات، اور اس موضوع پر پہلا تحقیقی مقالہ ہونے کے اعتبار سے خصوصی طور پر توجہ طلب ہے۔ اس کی فہرست ماخذات میں چودہ مخطوطات اور ایک سو پچپن مطبوعات درج ہیں جن میں زیادہ تر دواوین و کلیات اور تذکرے ہیں۔ چند تصانیف قرآن و حدیث او سیرۃ و شمائل کے موضوعات پر بھی ہیں۔ لیکن موضوع سے براہ راست متعلق، کوئی ایسی

تصنیف شامل نہیں جس میں اردو کی نعتیہ شاعری سے بحث ہو۔ مصنف نے اپنی راہ خود نکالی ہے۔ اس تقدم کی فضیلت پر یقیناً وہ تحسین کے مستحق ہیں۔ مقالہ نو ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں نعت کی تعریف، ماخذ، لوازم اور اقسام سے بحث ہے۔ مصنف کے خیال میں نعت کی اقسام تین ہیں: رسمی نعت، مقصدی نعت اور اصلاحی نعت۔ باب دوم میں اردو کی نعتیہ شاعری کے ماخذ یعنی عربی و فارسی نعت، اور نعت گوئی پر ہندوستانی صنمیات کے اثر سے بحث ہے۔ باب سوم میں خاص اردو نعت کے مباحث آتے ہیں۔ اس باب میں قدیم دور کے اردو نعت گو شعراء اور بعض نعتیہ تصانیف کا ذکر ہے۔ یہ جائزہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے نعتیہ اشعار کے ذکر سے شروع ہوتا ہے جن کے متن کے مستند ہونے یا نہ ہونے سے مصنف کو کوئی سروکار نہیں، اور خاتمہ ولی کے ذکر پر ہوتا ہے۔ باب چہارم و باب پنجم میں سراج، سودا اور نظیر کے نعتیہ کلام سے بحث کی گئی ہے۔ باب ششم میں متوسطین (شہیدی، مومن، شہید وغیرہ) کے حالات اور نعتیہ کلام پر تبصرہ ہے۔ ان ابواب میں فرداً فرداً بہت سے شعراء کی نعت گوئی کا ذکر آ گیا ہے لیکن اردو میں نعتیہ شاعری کے اس دور سے متعلق اخذ نتائج کی کمی ہے۔ باب ہفتم میں صرف امیر، محسن، شائق اور محو کا ذکر ہے۔ امیر اور محسن کا ذکر خاصا تفصیل کے ساتھ ہے۔ امیر کے ذیل نعتیہ قصائد کے ساتھ منقبتیہ قصیدوں پر بھی تفصیلی تبصرہ ہے مگر نعتیہ شاعری میں امیر کے امتیازات کا کوئی ذکر نہیں۔ البتہ محسن کے امتیازات اور اثرات کی نشان دہی کی ہے اور عبدالسلام ندوی کی ایک اختلافی رائے پر ایراد بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی طرح، فاضل مصنف کی بھی یہی رائے ہے کہ محسن نے لکھنوی شاعری کے معائب کو دور کیا ہے (ص ۳۲۰)۔ مگر قصیدہ مدیح خیرالمرسلین کی (غیر مشروع) تشبیب نہ تو معیار پر پوری اترتی ہے اور نہ گریز میں کوئی جدت اور خوبی پائی جاتی ہے (ص ۳۲۸، ۳۲۹)۔ قصیدہ بانت سعاد کی تشبیب بھی یہی عیب رکھتی ہے (ص ۳۲۷)۔ اسی طرح حضرت حسان بن ثابت کا قصیدہ ہمزیہ بھی (ص ۳۲۷، ۳۲۸) یعنی غیر مشروع تشبیب جس میں ذکر محبوبہ، شراب، عورت سب کچھ ہے۔ اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ کسی قوم کا مذہب بدل جانے سے مذاہب ادبیہ ایک دم نہیں بدل جاتے، ان کو بدلتے ہوئے وقت لگتا ہے لہذا اسلامی ادب کے لیے زمانۂ جاہلیت کے ادب کو نمونہ قرار دینا صحیح نہیں (ص ۳۲۷، ۳۲۸)۔

نعتیہ مثنوی نگاری کے بارے میں ان کی رائے ہے کہ نعت گو شاعر مثنوی نگاری کی اس شرط سے آزاد ہے کہ جو قصہ بیان کیا جائے اس کی بنیاد ممکن اور ناممکن کے امتیاز پر ہو، اس

لیے کہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق آسمانوں کی سیر کسو بھی نظم کر سکتا ہے (ص ۳۳۳)۔ باب ہشتم میں دور جدید کے شعراء حالی، شبلی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی، نظم طباطبائی، حمزہ اور معالی کا ذکر ہے۔ حالی کے مقصدی اور اصلاحی اشعار کی تعریف میں مصنف نے بجا طور پر بہت کچھ کہا ہے۔ مصنف نے صراحت کی ہے کہ مسدس کے نعتیہ اشعار میں جو ایک مرکزی خیال کام کر رہا ہے وہ آپ کا ہادیٔ عالم ہونا ہے اس لیے حالی خلق محمدیؐ کو اسی ایک رنگ میں پیش کرتا ہے (ص ۳۶۳)۔ اردو کی نعتیہ شاعری پر حالی کے اثرات کے ذیل میں (عبدالسلام ندوی کی رائے کے برخلاف) وہ کہتے ہیں کہ مولانا حالی کے اس اصلاحی رنگ کے اثرات بعد کے نعت گو شعرا پر نہایت گہرے، خوشگوار اور صحت مند ثابت ہوئے (ص ۳۶۹)۔ اسی طرح شبلی کی نعتیہ شاعری میں بھی مکارم اخلاق کی تعلیم کی نشان دہی کی ہے (ص ۳۷۱ تا ۳۷۴)۔

مولانا احمد رضا خاں کے نعتیہ دیوان پر تبصرے کے ذیل میں قادرالکلامی، سنگلاخ زمینوں میں طبع آزمائی، تبحر علمی، محاورہ بندی، صنائع لفظی و معنوی وغیرہ پر تو خاصی تفصیل سے اظہار خیال ہے لیکن اردو کی نعتیہ شاعری پر کیا اثرات چھوڑے؟ یہ سوال تشنۂ جواب ہے۔ نعتیہ قصائد کی تشبیب و گریز کے معاملے میں مصنف نے نظم طباطبائی کو محسن سے برتر قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلامی ادب میں تشبیب کا (مشروع) رنگ جو متبنی نے زمانۂ جاہلیت کے قیود کو توڑ کر پیش کیا اسے ہم نظم کے نعتیہ قصائد میں جلوہ گر پاتے ہیں (ص ۳۹۵)۔ ان کا وصف نبیؐ کا مضمون قرآن و حدیث کی ترجمانی کرتا ہے (ص ۳۹۸)۔ مصنف نے بعض شعرا مثلاً شائق، حمزہ کے نعتیہ کلام کے ذیل میں ان کی ہندی انداز میں نعتوں یا ٹھمریوں کا بھی ذکر کیا ہے جن میں خالص ہندوستانی انداز میں عورت کی زبان میں رسول کریمؐ سے عشق کا اظہار ہے (ص ۴۰۹)۔ حمزہ کی بعض نعتوں میں ڈرامائی انداز کی نشان دہی بھی کی ہے (ص ۴۱۰)۔ باب نہم میں دور حاضر کے نعت گویوں میں عزیز لکھنوی، اقبال، ظفرعلی خاں، امجد، جلیل، اکبر میرٹھی، ہادی، حفیظ، بہزاد، ماہر، عرش ملسیانی، حمید لکھنوی ہیں اور چند صف دوم بلکہ صف سوم کے شعراء بھی شامل ہیں جن سے اردو نعت گوئی کے عصری میلانات کے تعین میں مشکل ہی سے مدد مل سکتی ہے۔ بہر کیف بعض اہم شعرا کے نعتیہ کلام پر تبصرے کے ضمن میں نعتیہ شاعری کے میلانات و رجحانات سے متعلق خاصے مفید نکات پیش کئے گئے ہیں۔ مصنف کا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ دور جدید کے نعتیہ کلام میں حکیمانہ بصیرت، مصلحانہ تقدس، مجتہدانہ انداز اور

شاعرانہ دلآویزیوں نے چار چاند لگادیئے ہیں (ص ۴۲۱)۔ مختصر یہ کہ ایراد و ایزاد کی گنجائشوں کے باوجود یہ ایک اہم تحقیقی مقالہ ہے جو مفید معلومات اور مباحث سے پر ہے اور اس موضوع پر فضیلتِ تقدم بھی رکھتا ہے۔ (۱)

ان دو اہم مقالات تحقیق کے بعد اب شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی کے ان قابل ذکر تحقیقی مقالات (برائے ایم۔ اے سال آخر) کا تعارف پیش کیا جاتا ہے جو اردو میں نعتیہ شاعری یا نعت گو شعراء کے موضوع سے متعلق ہیں اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کے دورِ صدارت میں شعبے میں تحریر کیے گئے ہیں مگر تاحال غیر مطبوعہ ہیں۔ ان میں گیارہ مقالات تو ایسے ہیں جو براہ راست نعتیہ شاعری سے متعلق ہیں اور بعض دیگر مقالات میں ضمناً شعراء کی نعت گوئی پر تبصرہ ہے۔ مقالات کے موضوعات یہ ہیں: امیر کی نعتیہ شاعری (اس موضوع پر دو مقالات تحریر ہوئے ہیں)، اردو نعت میں بہزاد کا مرتبہ، صوبۂ سندھ میں اردو نعت گوئی، محسن کے کلام پر قرآن و حدیث کے اثرات، حیدرآباد سندھ کے نعت گو شعراء، مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری، چراغ کعبہ: حواشی و تعلیقات، صبح تجلی: حواشی و تعلیقات، اردو کی نعتیہ شاعری پر قرآن و حدیث کے اثرات، اور "تحفۂ ساقی کوثر"۔ موخر الذکر تاریخی نام ہے اور اس کا موضوع اردو کے میلاد نامے ہیں۔ اس کی مصنفہ سیدہ رئیس فاطمہ نے بالالتزام کتاب کا نام اور عنواناتِ ابواب تاریخی رکھے ہیں جن سے یکے بعد دیگرے ہجری اور عیسوی سنہ نکلتے ہیں۔ معلومات بھی خاصی محنت اور خوبی کے ساتھ پیش کی ہیں۔ یہ ساڑھے چار سو صفحات کا ضخیم مقالہ ہے۔ مصنفہ خود ایک نعت گو شاعرہ ہیں کیونکہ آخر میں ان کی ایک نعت بھی شامل ہے۔

اس کے بعد نعتیہ اردو شاعری پر چند قابلِ ذکر مضامین کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ نصیرالدین ہاشمی کی کتاب "دکنی کے چند تحقیقی مضامین" میں ان کا ایک مضمون "قدیم اردو میں سیرۃ النبی کا ذخیرہ" بھی شامل ہے جس میں سیرۃ کی منظوم تصانیف کے ذیل میں شعراء کے نعتیہ کلام کا بھی ذکر ہے۔ مصنف کا خیال ہے کہ ان میں صدق کے ساتھ بہت کچھ کذب بھی شامل ہے۔ خاتون پاکستان کراچی کے سیرۃ رسول نمبر (۱۹۶۴ء) میں

(۱) "کتاب نما" جامعہ نگر نئی دھلی کے خصوصی شمارے بابت مئی ۱۹۷۶ء کے مطابق لکھنؤ یونیورسٹی میں "اردو میں نعت گوئی کی ابتداء اور ارتقاء" کے موضوع پر مرزا صغیربیگ کا مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی زیر تکمیل ہے۔

مولانا افسر امروہوی کا ایک مضمون "اردو کی اولین نعتیہ مثنوی" ہے جسمیں "عبدالمحمد تربن" کے نام کی بحث ہے اور اسکے شمائل نامے کو نعت شریف کی پہلی مثنوی بتایا ہے۔ لیکن اپنے ایک اور مضمون "اردوے قدیم اور نعت گوئی" میں جو سیارہ ڈائی جسٹ کے رسول نمبر جلد دوم میں شامل ہے اور جو ایک عمدہ مضمون ہے، اس رائے سے رجوع کرلیا ہے، اور بلاقی (مصنف معراج نامہ) کو اس فضیلت تقدم کا مستحق قرار دیا ہے۔ سیارہ کے اس نمبر میں ایک مضمون شمیم احمد کا بھی ہے جو نعت کے میلانات و محرکات سے متعلق فکرانگیز بحثوں پر مشتمل ہے جس کا عنوان "نعت گوئی اور اس کا فن" ہے۔ شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی کے مجلے، صریر خامہ، کے قصیدہ نمبر (۱۹۶۸ء) میں بھی دو مضامین نعتیہ اردو شاعری سے متعلق ہیں یعنی آنسہ سردار اختر بانو کا مضمون "محسن کاکوروی کے قصائد میں نعتیہ رنگ" اور محمد عبدالمقیت شاکر شاکر علیمی (ڈاکٹر شاکر علیمی) کا مضمون "محسن کے قصیدے کا فنی جائزہ"۔ "سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل" کے عنوان سے محسن انصاری کا ایک مضمون ماہنامہ معیار میرٹھ، بابت دسمبر ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا تھا۔

مطبوعہ نعتیہ دواوین اور نعتیہ مجموعوں پر خود شعراء یا دوسرے فاضلین کے مقدمات بھی نعتیہ اردو شاعری سے متعلق مفید معلومات اور بحثیں رکھتے ہیں جن کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ حال ہی میں ایک کتاب "امام نعت گویاں" کے نام سے مولانا احمد رضا خاں کی شاعری کے متعلق سامنے آئی ہے جسکے مصنف مولانا اختر الحامدی مقیم حیدرآباد سندھ ہیں۔ اس میں ڈاکٹر محمد مسعوداحمد کا قابل مطالعہ پیش لفظ بعنوان "تقدیم" بھی شامل ہے۔ عبدالعزیز خالد کی نعتیہ شاعری پر بھی متعدد مقالات لکھے گئے ہیں۔ سیارہ کے خالد نمبر کے مقالات کے علاوہ، وفا راشدی کی تازہ تصنیف "خالد ایک نیا آہنگ" میں بھی انکی نعتیہ شاعری سے متعلق بحثیں ہیں۔

غرض کہ نعتیہ اردو شاعری کے جائزوں کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور بہت کچھ تصنیفی مواد اس موضوع پر ملتا ہے جس کے تحقیقی اور تنقیدی جائزے کی ضرورت ہے، تاہم اب بھی بعض موضوعات طالب توجہ ہیں مثلاً فارسی شعراء بالخصوص جامی کی نعتوں کے اردو کی نعتیہ شاعری پر اثرات کا جائزہ زیادہ تفصیل سے لیا جائے تو خاصا نتیجہ خیز ہوگا۔ ہندی انداز کی نعتوں کا تفصیلی جائزہ بھی ابھی تک نہیں لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کے مقالے میں صرف چند ایسے شعراء کی نشان دہی کی گئی ہے جنہوں نے ہندی انداز کی نعتیں کہی ہیں۔ الیاس برنی کے تحفۂ محمدی حصہ دوم میں ایسے کلام کا انتخاب بھی ملتا ہے۔

بھارت کے موجودہ نعت گو شعراء میں بیکل اتساھی بلرام پوری کا نعتیہ ھندی کلام بھی مطبوعہ ملتا ھے۔ اسکے علاوہ متعدد ایسے مقامی، غیر مشہور ھندوستانی شعرا بھی ھوں گے جن کے نعتیہ ھندی کلام کی ترتیب و تدوین ابھی تک کسی محقق کی توجہ کی محتاج ھے۔ شاعرات کی نعت گوئی کا تفصیلی جائزہ بھی لیا جاسکتا ھے۔ ان میں سے بعض تو مطبوعہ نعتیہ مجموعے رکھتی ھیں چنانچہ مریم قادری کا نغمۂ حرم اور بہار کے معزز پھلواروی خاندان کی ایک شاعرہ محمودہ سلطانہ کا نعتیہ دیوان مطبوعہ ملتا ھے۔ سیرۃ النبی کی منظوم تصانیف اور منظوم تواریخ اسلام میں طویل نعتیہ حصوں کا جائزہ بھی لینے کی ضرورت ھے۔ عربی نعتوں کے منظوم و منثور اردو تراجم کا صرف جستہ جستہ ذکر ملتا ھے، یکجا کیا جائے تو ایک مفید اور قابل مطالعہ مقالہ تیار ھو سکتا ھے۔ کثیر اللسان نعتوں کی بھی اپنی ایک تاریخ ھے اور توجہ طلب۔ بعض اھم اور بلند پایہ نعت گو شعراء پر مفصل مقالات لکھے جا سکتے ھیں کیونکہ اس میدان میں ابتک صرف چند ھی پر کام ھوا ھے۔ نعتوں کے ترک و قبول کا ایک سیاسی پہلو بھی ھے جو فیضی کے وقت سے تاریخی اھمیت رکھتا ھے اور بعد کے ادوار میں بلکہ اب بھی تحقیق طلب ھے۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

یہ شعر غالب کا ھے۔ کہا جاتا ھے کہ یہ شعر غالب نے تجمل حسین خاں کی شان میں کہا ھے .... لیکن میرا دل اسے قبول نہیں کرتا۔ غالب کے اس شعر کے ساتھ، میرا ذھن ھمیشہ آنحضرتؐ کی ذات مبارک کی طرف گیا اور میں درود شریف پڑھنے پر مجبور ھو گیا۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

(ماخوذ۔ اردو کی نعتیہ شاعری)

اظہر قادری

استاد - شعبۂ اردو - سندھ یونیورسٹی

ہندو شعرا بارگاہ رسولؐ میں

مسلم شعرا میں نعت گوئی کی اصل محرک دو چیزیں ہیں۔ ایک تو رسول اقدس حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی بے پناہ محبت و عقیدت ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس محبت و عقیدت کا اظہار کارِ ثواب اور وسیلۂ نجات کا درجہ رکھتا ہے۔ چنانچہ جوشِ عقیدت اور ثواب کی امید کے نتیجے میں اردو میں نثر و نظم کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے جسکی مثال عربی و فارسی میں بھی مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ جو لوگ شعر نہیں کہہ سکتے تھے یا شعر کہنے کی طرف طبعاً مائل نہیں تھے انہوں نے نثر میں چھوٹی بڑی بہت ساری کتابیں لکھہ ڈالیں جن میں حضرت صلعم کی سیرت پاک پر مختلف طریقے سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی طرح بہت سارے لوگوں نے میلاد کی کتابیں لکھیں۔ شاعروں نے لازمی طور پر نعت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عقیدت و محبت کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ چنانچہ نعت کا لکھنا اور سننا دونوں کار ثواب میں داخل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نعت لوگوں میں بہت مقبول ہے۔ نعتیہ مشاعرے ہوتے ہیں، میلاد کی محفلوں میں نعت پڑھی جاتی ہے، قوالی کی محفلوں میں نعت گائی جاتی ہے اور ان محفلوں میں اہل طریقت اور اہل شریعت دونوں شامل ہوتے ہیں اور نہایت عقیدت و احترام سے نعتیہ کلام سنتے ہیں۔

نعت گوئی دراصل صوفیوں کا بڑا محبوب مشغلہ رہی ہے اور نعت گوئی کو رواج دینے اور مقبول بنانے میں انہوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ چنانچہ ہمارے یہاں شعرا کا نعت لکھنا اور حمد کے بعد اسے اپنے دیوان میں شامل کرنا ایسی روایت رہی ہے کہ اس سے انحراف کا تصور مشکل ہے۔ اس ضمن میں ہمیں دو قسم کے شعرا ملتے ہیں۔ ایک تو وہ جو رسماً نعت کہتے ہیں اور دوسرے وہ جنہوں نے نعت گوئی کو اپنا محبوب مشغلہ بنا لیا ہے اور نعت کے علاوہ دوسری چیزیں بہت کم لکھی ہیں۔ حضرت صلعم سے بے پناہ عقیدت و محبت اور کارِ ثواب اور وسیلۂ نجات کے پیشِ نظر مسلم شعرا کی نعت گوئی ایک فطری عمل ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جس نے ہندو شعرا کو نعت گوئی کی طرف مائل کیا۔ ظاہر ہے رسولِ کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کے حسن، اخلاق، انسان دوستی، مومن و کافر سے مساویانہ سلوک، رحمدلی، سخاوت، انصاف اور انسانیت پر مبنی تعلیم اور اس پر عمل ان کے چند ایسے اوصاف حمیدہ ہیں جنکی مثال تاریخ عالم پیش نہیں کرسکتی۔ آنحضرت صلعم نے اپنے اوصاف حمیدہ سے مسلم و غیر مسلم دونوں کو یکساں طور پر متاثر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم شعرا کے دوش بدوش ہمیں ایسے ہندو شعرا بھی کافی تعداد میں ملتے ہیں جنہوں نے نعت لکھی ہے اور اپنی عقیدت مندی کا اظہار اسی انداز سے کیا ہے۔ ہندو شعرا میں نعت گوئی کا سلسلہ شروع سے چلا آرہا ہے اور آج بھی بہت سارے ایسے مشہور ہندو شعرا ہیں جو نظم و غزل کے علاوہ نعت بھی نہایت ذوق و شوق سے کہتے ہیں۔ چنانچہ ہندو شعرا میں نعت گوئی کا رواج اتنا عام ہے کہ اس سلسلے میں ایک طویل فہرست تیار کی جاسکتی ہے لیکن ہم یہاں طوالت کے خوف سے صرف چند شاعروں کا ذکر کریں گے۔ ایسے شعرا میں کبیرداس بنارسی، سرور جہاں آبادی، سرکشن پرشاد شاد، دلو رام کوثری، کیفی دہلوی، ہری چند اختر، تلوک چند محروم، عرش ملسیانی، فراق گورکھپوری، آزاد، سحر، بھگوان، اور چند قیس، اور منور لکھنوی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ہندو شعرا کے نعتیہ کلام کے کچھ مجموعے بھی شائع ہوئے جن میں 'اذان بتکدہ' مرتبہ منشی محمد الدین فوق، 'ہندو شعرا اور دربار رسول' مرتبہ محمد محفوظ الرحمان اور 'ہندو شعرا کا نعتیہ کلام' مرتبہ فانی مرادآبادی کا خاص طور پر ذکر کیا جاسکتا ہے۔ ہندو شعرا میں چودھری دلو رام کوثری ایک ایسے شاعر ہیں جنہوں نے نعتیہ اشعار رسماً نہیں بلکہ عقیدتاً کہے ہیں۔ اور اس اعتبار سے کوثری کو حقیقی معنوں میں نعت گو شاعر کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ:

کچھ عشق پیمبرؐ میں نہیں شرطِ مسلماں
ہیں کوثری ہندو بھی طلبگارِ محمدؐ

کوثری کا وطن ضلع حصار تھا اور اردو فارسی کے علاوہ انگریزی زبان پر بھی خاصی مہارت رکھتے تھے۔ نعت گوئی ان کا ایسا محبوب مشغلہ تھا کہ ہر دم اسی میں محو رہتے تھے۔

بتاؤں کوثری کیا شغل اپنا
میں ہوں ہردم ثنا خوانِ محمدؐ

نعت گوئی میں انہیں اس حد تک انہماک تھا کہ خود کو فخریہ انداز میں اردو کا حسان بن ثابت سمجھتے تھے۔

لکھیں عمر بھر کوثری ہم نے نعتیں ۔ نہ کچھ اور غم زندگانی میں رکھا
ہے حسان پہلا تو میں دوسرا ہوں ۔ نہیں فرق اول و ثانی میں رکھا
خدا نے اسلئے سونپی محفل عرب کی ۔ مجھے بزم ہندوستانی میں رکھا

دلورام کوثری نے نعت گوئی میں بڑی ہنرمندی اور فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ انہوں نے ایک غیر منقوط نعتیہ دیوان بھی مرتب کیا۔ ان کے تخلص کوثری میں چونکہ حروف منقوطہ بھی شامل ہیں اسلئے اس دیوان میں کوثری کی جگہ اپنا اصلی نام دلورام تخلص کے طور پر استعمال کیا ہے۔ کوثری کے نعتیہ کلام کی بنیادی خصوصیات آنحضرت صلعم سے بے پناہ عقیدت اور اس عقیدت کے اظہار میں زبان و بیان کی سادگی اور جذبات کی پاکیزگی ہیں۔

مہاراجہ سر کشن پرشاد شاد ہندو نعت گو شعرا میں بڑا اہم مقام رکھتے ہیں۔ شاد کو ابتدا ہی سے شاعری کا شوق رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں شعرا اور اہل علم ہمیشہ جمع رہتے اور شعر و ادب کی محفلیں گرم رہتی تھیں جن میں امیر، جلیل، ظہیر، سرشار، فانی، ہوش، صغیر اور ثاقب جیسے مشہور شعرا حصہ لیتے تھے۔ شاد کے نعتیہ کلام کا مجموعہ پہلی بار ۱۳۲۶ھ میں "ہدیۂ شاد" کے نام سے شائع ہوا۔ اس میں ۱۰۲ نعتیہ غزلیں، ایک قصیدہ، سات مخمس اور پانچ سلام ہیں۔ شاد نے اپنے نعتیہ اشعار میں بارگاہ رسالت سے جس خلوص اور وابستگی کا اظہار کیا ہے اسکے ایک ایک لفظ سے بے پناہ عقیدت مندی ٹپکتی ہے اور یہ امتیاز مشکل ہوجاتا ہے کہ یہ کلام کسی مومن کا ہے یا غیر مسلم کا۔ مندرجہ ذیل اشعار سے شاد کے جذب و شوق، حب رسول اور عقیدت و محبت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں:

کافر ہوں کہ مومن ہوں خدا جانے میں کیا ہوں ۔ پر بندہ ہوں ان کا جو ہیں سلطان مدینہ
طواف روضہ عین حج ہے اے شاد ۔ مرا کعبہ مدینے کی گلی ہے
جن کو کہتے ہیں محمد وہ ہیں اپنے سلطاں ۔ جس کو کہتے ہیں مدینہ وہ ہے کشور اپنا
ناسخ احکام ہے حجت اسلام ہے ۔ دافع آلام ہے وہ رسول مجتبیٰ
ہیں پھول اسی باغ کے سب کافر و مومن ۔ یہ گلشن ایجاد ہے گلزار محمد

پنڈت بال مکند عرش ملسیانی اردو کے مشہور شاعر ہیں۔ ان کے والد جوش ملسیانی بھی اردو کے بڑے نامور شاعر ہیں۔ عرش ملسیانی نے اپنے نعتیہ کلام کا مجموعہ ۱۹۵۳ء میں "آہنگ حجاز" کے نام سے شائع کیا۔ عرش کا نعتیہ کلام آنحضرت صلعم سے نیازمندانہ

وابستگی اور والہانہ عقیدت مندی کا بڑا فنی اظہار ہے۔ ہر شعر سے ان کی داخلی کیفیت، بارگاہ نبوی میں سجدہ ریزی کا بے پناہ شوق اور روضۂ مبارک کی زیارت کی تڑپ کا اظہار ہوتا ہے:

اے عرش در محبوب خدا ملجا ہے مقدر والوں کا
کٹتے ہیں تصور میں اپنے گو صبح و شام مدینے میں

در محبوب پر سجدہ اگر اک بار ہوجائے
دل پر آرزو سر چشمۂ انوار ہوجائے

ترے پینے کو مے آیا ، کریگی عرش اعظم سے
مئے عشق محمدؐ سے جو تو سرشار ہوجائے

ان کے علاوہ عہد جدید کے غیر مسلم شعرا میں جنھوں نے نعت لکھکر آنحضرت صلعم سے اپنی محبت و عقیدت اور والہانہ وابستگی کا اظہار کیا ہے پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی، ہری چند اختر، تلوک چند محروم، رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری، کنور مہندر سنگھ بیدی، جگن ناتھ آزاد، رانا بھگوان داس بھگوان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ وہ شعرا ہیں جنہیں موجودہ اردو شاعری میں کسی تعارف کی ضرورت نہیں۔ ان کے کلام کی صفائی، برجستگی، سلاست و روانی اور فنی مہارت ان کے پختہ و بالیدہ شعور کی بڑی روشن دلیل ہے۔ ذیل کے نعتیہ اشعار سے ان شاعروں کی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دلی عقیدت اور نیازمندی کا اندازہ لگانا مشکل نہیں:

ہو شوق نہ کیوں نعت رسولؐ دو سرا کا — مضموں ہو عیاں دل میں جو لولاک لما کا
ہے حامی و ممدوح مرا شافع عالم — کیفی مجھے اب خوف ہے کیا روز جزا کا

(کیفی دہلوی)

کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا در یتیم — اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کردیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کردیا — اک عرب نے آدمی کا بول بالا کردیا

(ہری چند اختر)

مبارک پیشوا جسکی ہے شفقت دوست دشمن پر
مبارک پیش رو جس کا ہے سینہ صاف کینے سے
انھی اوصاف کی خوشبو ابھی اطراف عالم میں
شمیم جانفزا لاتی ہے مکے اور مدینے سے

(تلوک چند محروم)

انوار بے شمار معدود نہیں
رحمت کی شاہراہ مسدود نہیں
معلوم ہے کچھ تم کو محمدؐ کا مقام
وہ امت اسلام میں محدود نہیں

(رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری)

تکمیل معرفت ہے محبت رسولؐ کی
ہے بندگی خدا کی اطاعت رسولؐ کی
انسانیت، محبت باہم، تمیز، عقل
جو چیز بھی ہے سب ہے عنایت رسولؐ کی

(کنور مہندر سنگھ بیدی سحر)

سلام اس ذات اقدس پر سلام اس فخر دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
بڑے چھوٹے میں جس نے اک اخوت کی بنا ڈالی
زمانے سے تمیز بندہ و آقا مٹا ڈالی

(جگن ناتھ آزاد)

نبیٔ مکرم شہنشاہ عالی
یہ اوصاف ذاتی و شان کمالی
خدا کا جو نائب ہوا ہے یہ انساں
یہ سب کچھ ہے تیری ستودہ خصالی

(رانا بھگوانداس بھگوان)

طوالت کا خوف تفصیل کی اجازت نہیں دیتا پھر بھی ہندو شعرا کے نعتیہ کلام پر اس اجمالی تبصرہ سے یہ نتیجہ نکالنا دشوار نہیں کہ بارگاہ رسولؐ میں ان کی نعتیہ پیشکش سے جس والہانہ عقیدت و محبت اور نیازمندی کا اظہار ہوتا ہے وہ مسلم نعت گو شعرا سے کسی طرح کم نہیں۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ بہت سارے مسلم شعرا کا نعتیہ کلام بڑی حد تک رسمی معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بات ہندو شعرا کے بارے میں نہیں کہی جاسکتی۔ ان کے نعتیہ کلام سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ آنحضرت صلعم کی سیرت پاک اور اوصاف حمیدہ ایسے ہیں جن سے غیر مسلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ اور انہوں نے اپنے عقائد کے با وصف اپنے تاثرات اور دلی جذبات کو نعت کی شکل میں فخریہ انداز سے پیش کیا۔

———

سعدیہ نسیم
شعبۂ اردو - سندھ یونیورسٹی

اردو کے چند کمیاب میلاد نامے

میلادناموں کی ابتدا اردو میں کب اور کہاں سے ہوئی یہ ایک اہم سوال ہے۔ لیکن قدیم ترین میلادنامے دستیاب نہ ہوسکنے کی وجہ سے اس سلسلے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اغلباً اردو زبان میں میلادنامے پہلے دکن میں لکھے گئے۔ چنانچہ دیگر تہواروں کی مانند، دکن میں میلاد شریف کی محفلوں کے انعقاد کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ ڈاکٹر محی الدین زور نے اپنے ایک مضمون میں ایسی محفلوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔(۱) دکن کی طرح شمالی ہند میں بھی یہ محفلیں ہر جگہ منعقد کی جاتیں۔ اس طرح مجلسی ضروریات کے مطابق میلادنامے لکھنے کا ایک سلسلہ جاری تھا جن کا ماخذ قدیم کتب شمائلِ نبوی تھیں۔ بعد کو ان میلادناموں میں حسب ضرورت دوسرے مسائل اور موضوعات بھی شامل کیے جاتے رہے۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، عادات و خصائل، معراج اور وفات کے سلسلے میں روایات کا ایک ذخیرہ ان میلادناموں کی صورت میں ضبطِ تحریر میں آگیا، لیکن ان میں درج شدہ بیشتر روایات محقق اور مستند نہیں۔ ان روایات کا درجہ کتب احادیث میں شامل روایتوں سے کم تر ہے۔ اس معاملے میں تحقیق کی ضرورت غالباً اس لیے نہیں سمجھی گئی کہ ان میلادناموں کا مقصد صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کو تازہ رکھنا اور آپ کے ساتھ محبت و عقیدے میں اضافہ کرنا ہے۔

میلادناموں پر اب تک جو تحقیقی نوعیت کا کام ہوا ہے اس سلسلے میں دو مقالے خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ سندھ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں آنسہ سیدہ رئیس فاطمہ نے مجلسی میلادناموں کے موضوع پر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی زیر نگرانی ایم۔اے کا تحقیقی مقالہ لکھا۔ اس مقالے کو "تحفۂ ساقیٔ کوثر" کے تاریخی نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اسی قسم کا ایک اور تحقیقی مطالعہ ناگپور یونیورسٹی میں بعنوان "اردو میں میلادنامے" کیا گیا۔ یہ مقالہ پی ایچ۔ڈی کے لیے قاضی شہاب الدین نے لکھا اور سنہ ۱۹۶۴ء میں منظور ہوا۔ ان مقالوں میں میلادناموں کی ایک بڑی تعداد شامل کی گئی ہے۔ قاموس الکتب، حصہ اول میں میلادناموں کی ایک طویل فہرست موجود ہے۔ تاہم یہ مقالے اور فہرست ان

---

(۱) ڈاکٹر محی الدین زور۔ ماہنامہ ادبی دنیا، سنہ ۱۹۴۵ء۔ بحوالہ تحفۂ ساقیٔ کوثر۔ ص ۱۹۔

تمام میلادناموں کا احاطہ نہیں کرتے جو اب تک اردو میں لکھے جاچکے ہیں - اس مضمون کا مقصد چند ایسے ہی کم یاب میلادناموں کا تعارف پیش کرنا ہے۔

۱۔ ذکر جمیل : مولانا الحاج محمد حبیب الرحمان خاں شیروانی (نواب صدر جنگ بہادر) کی تالیف ہے۔ عام طور پر میلادناموں میں تین بڑے عنوانات ہوتے ہیں، یعنی ولادت مبارک۔ معراج شریف اور وفات کا بیان۔ باقی عام بیانات انھی عنوانات کے ذیل میں آجاتے ہیں۔ ذکر جمیل میں عنوانات اس کثرت سے قائم کیے گئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری مکی و مدنی زندگی کے بیشتر چھوٹے بڑے واقعات کا احاطہ کرلیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب میلادنامے سے زیادہ ایک تاریخ معلوم ہوتی ہے جس میں ترک و انتخاب کے اصول کی کار فرمائی نہیں۔ البتہ انداز بیان کی وجہ سے نوعیت بدل گئی ہے۔ اسلوب سادہ، سہل اور عام فہم ہے۔ قرآنی آیات و احادیث کے حوالے جابجا ملتے ہیں۔ معجزات کے بیان سے عموماً پہلو تہی کی ہے۔ صرف تاریخی حقائق کے بیان کو ضروری سمجھا ہے۔ اس اعتبار سے یہ میلاد نامہ عام مروج میلادناموں سے مختلف نظر آتا ہے۔

۲۔ تحفۂ میلاد النبیؐ : مختصر میلاد نامہ ہے جسے جناب احمد علی نے مرتب کیا ہے۔ ابتدا ولادت کے ذکر خیر سے ہوتی ہے اور اختتام پر بعض علما کی اس میلادنامے سے متعلق آرا نقل کی گئی ہیں۔ اس میلادنامے میں اول حضور صلعم کی ولادت سے قبل کی ضلالت و گمرہی کا خاکہ کھینچا گیا ہے اور ایک مصلح کی ضرورت پر توجہ دلاتے ہوئے نبی آخر الزماں کے فضائل و برکات پر توجہ منعطف کرائی ہے۔ نیز موجودہ میلاد کی مجلسوں کا ذکر کرتے ہوئے اس بات پر خصوصاً زور دیا ہے کہ آداب محفل میلاد شریف کی پابندی کرنی چاہیئے اور کم علم مولود خوانوں کے بجائے با علم عالم کو بلایا جائے جنھیں مذہب کی پوری اور صحیح معلومات ہوں۔ کتابی سائز کے صرف ۱۲۰ صفحات پر مشتمل یہ میلادنامہ ۱۳۸۵ھ میں پنجاب پریس، لاہور نے شایع کیا۔

۳۔ مولود شریف جدید : یہ مولودنامہ محمد قمرالدین (فرزند حاجی شیخ محمدیعقوب صاحب مرحوم، مالک مطبع احمدی) نے مرتب کیا۔ اس کے ابتدائی حصے میں کچھ نئے موضوعات شامل ہیں، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور شمائل و فضائل کا بیان قرآنی آیات اور ان کے تراجم کے ساتھ دیا گیا ہے۔ نیز امت محمدی کی فضیلت دیگر امتوں پر اور نبی صلعم سے محبت و عقیدت کی برکات۔ ان بیانات میں حقیقت غالب ہے۔ لیکن ولادت مبارک اور بعد کے دوسرے بیانات میں مبالغہ آرائی کی وہی عام کیفیت ہے۔ آخری آٹھ صفحات

پر علما کے فتوے، محفل میلاد کی حمایت میں دیئے گئے ہیں۔ یہ میلادنامہ ۱۳۴۹ھ میں مطبع قیومی واقع کانپور طبع ہوا، ضخامت ۸۵ صفحات ہے۔

۴۔ احیاءالقلوب فی مولدالمحبوب: مولانا محمد عبدالجلیل بن عبدالمجیب کا مرتب کردہ ہے۔ یہ اس وقت کی تالیف ہے جب اردو کو اس کا موجودہ نام نہیں ملا تھا بلکہ یہ "زبان ہندی" کہلاتی تھی۔ سبب تالیف بیان کرتے ہوئے مولف لکھتا ہے:

"اکثر مسلمان بھائی دیندار کہا کرتے تھے کہ احوال تولد اور معجزات اور معراج اور وفات آنحضرت زبان ہندی سلیس میں بیان ہوے تو مسلمان کو حالات آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت ہونے سے ذوق و شوق دلمیں پیدا ہو اور بخوبی پیروی سنت رسول کی کیا کریں اور بدعتوں سے باز رہیں" صفحہ ۳۔

چنانچہ اس میں وہی زبان استعمال ہوئی ہے جیسے سبھوں (بجائے سب)، ہوے، ہوجیو، ہووے (ہو) وغیرہ۔ روایات وہی عام قسم کی ہیں۔ بیانات تفصیلی اور طویل ہیں۔ معجزات کے واقعات حضور کی ولادت سے وفات کے درمیانی عرصے پر محیط ہیں۔ اس پر سال تصنیف درج نہیں۔ مطبع قیومی واقع کانپور سے طبع ہوا۔ کل صفحات ۱۲۹ ہیں۔

۵۔ صبح کا ستارہ: یہ میلادنامہ "شمع ہدایت الموسوم صبح کا ستارہ" سید منیرالدین نقشبندی مجددی دہلوی نے مرتب کیا۔ مرتب نے اسے مدلل لکھا ہے لیکن اس میں شامل روایات مدلل اور محقق نہیں ہیں۔ یہ میلاد نامہ عذاب و ثواب کی روایات پر مبنی ہے۔ ضخامت ۲۷ صفحات ہے۔

۶۔ صبح کا ستارہ: مذکورہ بالا میلاد نامہ کا ہم نام ہی نہیں بلکہ اندراجات اور عنوانات بعینہ وہی ہیں۔ اس کے مرتب کا نام مولوی محمد عباس ابن ناصر علی صاحب مورخ جاجموی ہے۔ یہ دونوں میلاد نامے بالکل یکساں ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان دونوں کا ماخذ ایک ہی کتاب یعنی "وقایق الاخبار عربی" (مصنفہ ابو حامد محمد بن محمد الغزالی رح) ہے۔

۷۔ نور نامہ شمائل نامہ: یہ میلاد نامہ منظوم ہے۔ ابتداً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے "نور" کا مفصل ذکر ہے، بعدہ شمائل کا۔ اس میں حقیقت پسندی اور حدود شریعت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ کل صفحات ۱۶ ہیں، اس کے آخری دو صفحات پر عہدنامہ درج ہے۔

۸۔ ذکر حبیب: علامہ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی قادری نے تحریر فرمایا ہے۔

وجہ تصنیف یہ لکھی ہے کہ آج کل کے میلاد ناموں میں چونکہ رطب و یابس سبھی کچھ شامل ہوتا ہے اور مراتب الوہیت و نبوت کے فرق و امتیاز سے بھی مولفین تجاوز کر جاتے ہیں لہذا مستند روایات اور نبیؐ کی تعلیمات و اخلاق کی صحیح اور سچی تصویر پیش کرنے کے لیے اس میلاد نامے کو ترتیب دیا گیا ہے۔ موضوعات کے اعتبار سے اس میں زیادہ بحث ولادت نبویؐ اور اخلاق حمیدہ کے مقابلے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سے کی گئی ہے۔ اکثر معاشرتی مسائل و احکام کا استنباط قرآن حکیم سے کیا ہے۔ ۱۳۵۷ ھجری کا تحریر کردہ یہ میلاد نامہ ۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

۹۔ مولود شہید: مولفہ غلام امام شہید۔ یوں تو یہ تمام میلاد نامہ ہی حضورؐ کے معجزات و برکات سے مرصع ہے لیکن معجزات کا عنوان الگ بھی قایم کیا ہے۔ روایات میں چند ایک نئی روایات کا اضافہ بھی کیا ہے جیسے آپؐ کا قبل نبوت غار حرا میں مصروف غور و فکر رہنا اور اس زمانے میں آپ جدھر سے گزرتے درخت اور پتھر السلام علیکم یا رسول اللہ کہا کرتے (صفحہ ۳۱)۔ مولود شہید ۱۸۸۳ء میں مطبع نولکشور میں طبع ہوا۔ صفحات ۷۵ ہیں۔ (۱)

۱۰۔ سعید البیان فی مولد سیدالانس والجان: شاہ احمد سعید فاروقی مجددی نقشبندی کی تصنیف ہے۔ ابتدا میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کا مقدمہ شامل ہے جس میں مصنف کے شجرے اور ان کی دیگر تصانیف کی نشاندھی کی گئی ہے اور اس میلاد نامے کی زبان و بیان پر مختصراً اظہار رائے کیا گیا ہے۔ یہ میلاد نامہ عام میلاد ناموں سے بڑی حد تک مختلف ہے۔ اس میں شاعرانہ مبالغہ آرائی اور افسانوی رنگیں بیانی کا نام تک نہیں۔ بیانات حقیقت و واقعیت پر مبنی ہیں۔ منتخب واقعات پیش کیے گئے ہیں۔ آپ کے اعمال و افعال کو قرآن و حدیث کی روشنی میں صحیح اور محقق انداز میں بیان کیا ہے۔ معجزات بھی ایسے لکھے ہیں جو قرآن و احادیث سے ثابت ہیں۔ بیانات کی طرح اس کا اسلوب بھی منفرد ہے یعنی فعل اور حروف جار وغیرہ مقدم ہیں اور زبان سلیس۔ کتابی سائز کے ۱۷ صفحات پر مشتمل یہ میلاد نامہ ۱۳۸۵ ھجری میں ایجوکیشنل پریس، کراچی سے طبع ہوا۔

۱۱۔ گلاب کا پھول: عزیز نامی شخص کا مرتبہ ہے۔ مرتب نے دعویٰ کیا ہے کہ اس میں صحیح روایات درج ہیں لیکن وہ اس دعویٰ کی پوری پابندی و التزام نہیں

---

(۱) بحوالہ تحفہ ساقی کوثر۔ لیکن راقم الحروف کی نظر سے جو میلادنامہ "مولود شہید" گزرا ہے وہ شکستہ حالت میں ہے۔ آخری چند صفحات غائب ہیں اور موجودہ صفحات ۸۵ ہیں۔ اس پر سنہ تصنیف درج نہیں۔

کر سکا ۔ عام روایات کے علاوہ بھی بعض معاشرتی بدعات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ صفحات ۱۱۲ ہیں ۔ سن تصنیف و طباعت درج نہیں ۔

۱۲ ۔ زیور ایمان : یہ میلادنامہ حاجی بدرالدین نظامی کی فرمائش پر لکھا گیا اور نظامی لیتھو پریس، پانچ پٹی، احمدآباد سے طبع ہوا ۔ اس میں مصنف کے نام اور اس تصنیف و طباعت کا کہیں ذکر نہیں ۔ چھیانوے صفحات پرمشتمل یہ میلادنامہ، جیسا کہ اس کے انداز مخاطب اور لہجہ سے ظاہر ہے، خواتین کے لیے لکھا گیا ہے اور غالباً تقسیم ہند سے قبل کا ہے ۔ دربار مدینہ ص ۲۸ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ میلادنامہ مولانا منشی محمد علی خاں صاحب لکھنوی کا مولفہ ہے ۔ نسوانی لب ولہجہ کے ساتھ اسی طبع کے الفاظ و محاورات کا استعمال ملتا ہے ۔ ضخامت ۹۶ صفحات ہے ۔

۱۳ ۔ مجموعہ مولود شریف اور وعظ شریف : جناب حاجی محمد عبدالقیوم صاحب (تاجر کتب کلکتہ) کی فرمائش پر مرتب کیا گیا اور مطبع قیومی واقع کانپور سے طبع ہوا ۔ پورا نام "مجموعہ مولود شریف اور وعظ شریف اور حالات غوث الثقلین اور کرامات شریف" ہے ۔ کل صفحات ۱۷۸ ہیں ۔ سن تصنیف و طباعت درج نہیں ۔ یہ میلادنامہ دیگر کتب و رسائل میلاد شریف سے بہت حد تک منفرد اور جدت و تنوع کا حامل ہے ۔ ویسے یہ میلاد سے زیادہ وعظ کی کتاب معلوم ہوتی ہے ۔ اس میلاد نامے کا بڑا حصہ ان تمام سماجی و معاشرتی برائیوں اور بدعات کے بیان پر مشتمل ہے جن سے مال و دولت اور وقت کا زیاں ہوتا ہے، اعتقادات متزلزل و تشکک ہوتے ہیں اور خدا اور رسول خدا کی ناراضگی کا موجب ہیں ۔ ابتدائی حصے میں حضرت غوث الاعظم کی شرف و فضیلت اور کرامات کا تذکرہ ہے ۔

۱۴ ۔ میلاد پیغمبر : یہ میلادنامہ محسن کاکوروی کے بھتیجے درد کاکوروی کا مرتبہ ہے ۔ میلادنامے کی ابتدا میں ضیاء القادری کا مختصر مقدمہ، بہزاد لکھنوی و شمس وارثی کا تعارف (مولف و تالیف سے متعلق) شامل ہے ۔ نیز خواجہ لطیف الدین صاحب فرنگی محل لکھنو کی تقریظ بھی شامل ہے ۔ بحیثیت مجموعی یہ میلادنامہ، میلاد اکبر کی ایک اچھی نقل ہے جس میں کوئی نمایاں ترمیم و اضافہ تک نہیں کیا گیا ۔

۱۵ ۔ سراج منیرفی میلاد سیدالبشیر والنذیر : اس میلادنامے کا عنوان قرآن پاک سے ماخوذ ہے اور اس میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انہی اوصاف کا تذکرہ ہے جو قرآن حکیم میں بیان ہوئے ۔ بشیر و نذیر، یعنی بشارت دینے والا اور ڈر سنانے والا ۔ زبان سلیس و رواں ہے ۔

۱۶ - **میلاد خلیل :** جناب حافظ مولوی ابراھیم علی خاں صاحب خلیل فرماں روائے ٹونک نے زیور طباعت سے آراستہ کیا۔ ضخامت ۱۱۶ صفحات ھے۔ اس میں بالخصوص یہ التزام کیا گیا ھے کہ غیر معتبر روایات شامل نہ ھوں۔ جو روایات لکھی ھیں معتبر حوالوں کے ساتھ نیز احادیث سے استناد کیا گیا ھے۔ ترتیب البتہ عام میلاد ناموں کی سی ھے یعنی پیدائش سے وفات تک کے واقعات جن میں معراج و معجزات بھی شامل ھیں۔ زبان سلیس و عام فہم ھے۔

۱۷ - **میلاد سعدی :** میلاد سعدی ۴۸ صفحات پر مشتمل ھے۔ سن تصنیف و طباعت اور نام مرتب درج نہیں۔ اس میلاد نامے کا آغاز ایک حمد سے ھوتا ھے۔ یہ درحقیقت حمد و نعت کا ایک خوبصورت امتزاج ھے اور پورے میلاد نامے کا دیباچہ معلوم ھوتی ھے۔ یعنی حمد رب جلیل کے بعد آداب محفل میلاد شریف، اس کے تعلق سے اس محفل میں کثرت درود خوانی کی برکتیں اور رحمتیں اور پھر نبی آخر الزماںؐ کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پاکیزہ۔ نیز دوسرے انبیاء پر آپؐ کا تفوق و فضیلت۔ البتہ میلاد نامے میں ان بیانات میں ربط و تسلسل اور داخلی تنظیم نہیں۔

۱۸ - **مولود سعیدی :** ۴۸ صفحات پر مشتمل اس میلاد نامے کو حسب دستور تین عنوانوں پر تقسیم کیا گیا ھے۔ ولادت مبارکہ، معراج شریف اور وفات۔ اس میں شامل نعتوں کو غزل کا نام دیا گیا ھے۔ روایات اور بیانات میں حد اعتدال کو قائم رکھا ھے اور قرآن و احادیث سے استدلال کیا گیا ھے۔ معجزات بھی وھی منتخب کر کے لکھے ھیں جن کا ذکر قرآن کریم اور احادیث میں ملتا ھے۔ حضورؐ کی پرورش، تعلیم و تربیت اور اخلاق و کردار پر روشنی نہیں ڈالی گئی ھے۔ بعض مقامات پر مبالغہ آرائی کی وھی عام کیفیت ھے۔ زبان و بیان عام طور پر دقت و ثقالت سے پاک ھے البتہ کہیں کہیں زور بیان دکھانے کے شوق میں قافیہ آرائی کا التزام کیا ھے یا پھر یہ ایسی عبارات ھیں جو دوسرے میلاد ناموں سے بعینہٖ نقل کرلی گئی ھیں۔ حضورؐ کی وفات پر آپؐ کی چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہ رضؓ کے منہ سے حزن و ملال کے جن احساسات کی ادائیگی نظم میں کرائی گئی ھے وہ خالص لکھنوی ماحول کی پیداوار لگتی ھے۔ آخر میں کچھ ھندی اشعار بھی ملتے ھیں جن میں ھندی شاعری کی روایات کے مطابق غم فرقت کے جذبات کا اظہار نسوانی لب و لہجہ میں کیا گیا ھے۔ غالباً یہ میلاد نامہ تقسیم ھند سے قبل کا ھے۔ مؤلف کے نام اور سال تصنیف و طباعت کا اس میں کہیں اندراج نہیں کیا گیا ھے۔

۱۹- میلاد مطہر: سید حمیدالدین احمد حمید کا مؤلفہ ہے۔ اس میلادنامے کو عنوانات کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں، ولادت اور معراج شریف، لیکن ضمنی طور پر اور بھی بہت سی باتوں کا ذکر آ گیا ہے۔ اس میلادنامے کی ابتدا کچھ مختلف انداز پر کی گئی ہے۔ سب سے پہلے درود شریف اور اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مشہور قول نقل کیا ہے کہ "قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو مجھ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوگا"۔(ص ۳)۔ حمد کا انداز دعائیہ ہے۔ اس میں خدا کی قدرت کاملہ اور صفات عدیم النظیر کا ذکر کرتے ہوئے طلب عفو و رحمت کی گئی ہے۔ صفات الٰہیہ کا بیان قرآنِ مبین سے ماخوذ ہے اسی طرح رسول خدا کی تعریف و توصیف کا ماخذ بھی کلام الٰہی ہے۔ ولادت کا ذکر صرف چند جملوں میں کیا گیا ہے۔ درود و سلام جو اس موقع پر لکھا گیا ہے بہت خوبصورت اور عقیدت سے معمور ہے لیکن وہ خاص لے جو مجلسی میلادوں کے درود و سلام کا تقاضہ ہے اس میں مفقود ہے۔ اس میلادنامے میں عقیدتمندی، مبالغہ آرائی سے محترز رہی ہے۔ یہی صداقت نثری بیانات میں بھی ہے۔ لہذا بیشتر موقعوں پر اندازِ بیان مجلسی سے زیادہ تاریخی قسم کا ہو گیا ہے۔ وہ خطابیہ طرز جو میلادناموں سے مخصوص ہے، اس میں موجود نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ میلادنامہ مجلس میں پڑھنے کے بجائے انفرادی مطالعہ کے لیے ضبط تحریر میں لایا گیا۔ ولادت کے موقعے پر ظہور پذیر ہونے والے معجزات اور ذکر معراج دوسرے میلادناموں سے مشابہ ہے۔ معراج کا خصوصی تحفہ چونکہ نماز ہے لہذا اس موقع پر یہ حدیث خاص طور پر نقل کی ہے: الصلواۃ عمادالدین۝ (نماز دین کا ستون ہے) اور من ترک الصلواۃ متعمدا فقد کفرا ۝ (نماز کو قصداً ترک کرنے والا کافر ہے)۔ (ص ۳۱)۔ کتابی سائز کے اس میلادنامے کی ضخامت ۴۷ صفحات ہے۔

۲۰- کتاب میلادالنبی: موسومہ بہ کوکب دری۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں خجستہ اختر بانو سہروردیہ نے مرتب کیا۔ رسالہ "خاتون پاکستان" رسول نمبر میں، شفیق بریلوی نے اس میلادنامے کی تلخیص و ترتیب پیش کی ہے۔ اس میلادنامے کے اندراجات وہی عام میلادناموں جیسے ہیں۔ ابتدا حمد و نعت سے ہوئی ہے۔ فضیلت ذکر میلاد کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و خصائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اصل میلادنامہ اب دستیاب نہیں۔

یہ صرف چند میلاد نامے ہیں جو راقم الحروف کی نظر سے گذرے اور کم یاب ہیں۔ تلاش و جستجو سے ایسے اور بھی بہت سے میلاد نامے سامنے آسکتے ہیں۔

ان میلاد ناموں کے جائزے سے ایک بات جو بہت واضح ہے وہ یہ ہے کہ وقت گذرنے کے

ساتھ ساتھ اس بات کا شعور و احساس بڑھتا گیا کہ میلاد ناموں کی روایات جو بعض مقامات پر خلاف عقل اور ناقابل یقین معلوم ہوتی ہیں انہیں ترک کیا جانا چاہئے۔ لیکن یہ خیال صرف احساس تک محدود رہا۔ عملی طور پر اس سلسلے میں کوئی خاص کاوش نہیں کی گئی۔ تھوڑی بہت کاوش جو اس سلسلے میں بعض میلاد ناموں مثلاً آمنہ کا لال (مصنفہ علامہ راشد الخیری مرحوم)، ذکر جمیل (مولفہ حبیب الرحمان خاں شیروانی)، ذکر حبیبؐ (مولفہ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی)، سعید البیان (مصنفہ شاہ احمد سعید فاروقی)، میلاد خلیل اور میلاد مطہر کے بعض حصوں سے نمایاں ہے وہ یہ کہ عام مروجہ روایات سے زیادہ تاریخی واقعات اور بیانات کا تذکرہ کیا گیا اور غیر معتبر اور غیر مصدقہ روایات ترک کردیں۔ اکثر مولفین نے یہ دعوے بھی کیے کہ انہوں نے اپنے میلاد ناموں میں غیر مستند روایات کو شامل نہیں کیا ہے تاہم ایسے میلاد ناموں میں بھی جابجا یہ روایات شامل کرلی گئیں۔ اس طرح آج تک کوئی ایسا میلاد نامہ نہیں لکھا جاسکا جو مستند، مدلل اور محقق روایات پر مبنی ہو۔ جہاں تک ان مروجہ روایات کا تعلق ہے، ضرورت اس بات کی محسوس ہوتی ہے کہ ان روایات میں سے ہر اک روایت کو روایت و درایت کی کسوٹی پر پرکھا جائے اور کتب احادیث سے اس کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کی شہادت دی جائے۔ نیز صرف ان واقعات و معجزات کا انتخاب میلاد ناموں میں شامل کیا جائے جن کا وجود یا وقوع پذیر ہونا مذہبی اور شرعی اعتبار سے جائز اور صحیح و مصدقہ ہو۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب میلاد ناموں کی ترتیب و تدوین میں ایسے علما دلچسپی لیں جو مذہب سے پوری واقفیت رکھتے ہوں، اسلامی علوم سے بہرہ ور ہوں اور وقت کے تقاضوں سے پوری طرح آگاہ ہوں۔

عربی کی پہلی نعت کا آخری شعر

بنا انتعش العود الذواء وانما بہ کنا فنا تندی و تنمی ارومہا

(حضرت ابو طالب)

(ترجمہ) جن کے سائے میں خشک ٹہنیاں بھی نہال ہو جاتی ہیں اور اسکی جڑیں نرم اور بار آور ہونے لگتی ہیں۔

سرسبز ہو، جو سبزہ ترا پائمال ہو

ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

فہمیدہ شیخ
ریسرچ فیلو (پی ایچ ۔ ڈی)
شعبۂ اردو ، سندھ یونیورسٹی

قدیم اردو نعت گوئی

حضور صلعم سے عقیدت اور محبت کا اظہار نعت ہے ۔ ہر دور اور تقریباً ہر زبان میں نعت گوئی کا سلسلہ جاری رہا ہے ۔ جب اسلام کی شعاعیں ایران پہنچیں اور وہاں کے ارباب شعر و سخن نے نظم گوئی کی طرف توجہ کی تو نعت میں قابل قدر گلفشانیاں کی گئیں ۔ ان صاحبان میں شیخ سعدی، ملا جامی، اور حاجی جان محمد قدسی کے نام زیادہ روشن ہیں ۔ ایران سے شاعری کا یہ سیلاب ہندوستان پہنچا تو تمام اصناف سخن کے ساتھ ساتھ نعت گوئی کا بھی حق ادا کیا گیا اور مسلم اہل قلم اور اہل فکر نے دیگر موضوعات کے ساتھ نعت گوئی میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ دکن میں اردو زبان کی پہلی منظوم تصنیف فخرالدین نظامی کی ایک مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" ہے جو بہمنی دور میں تصنیف ہوئی ۔ اس مثنوی کی زبان ایسی ہے جس میں سنسکرت اور پراکرت کے سینکڑوں الفاظ استعمال کیے گئے ہیں ۔ یہ اس دور کی زبان کا نمونہ ہے جو سر زمین ایران و عرب کے نو واردوں اور ہندوستان کے اصل باشندوں کے میل جول سے پیدا ہوئی تھی اور جس میں مقامی عنصر کی بہتات ایک قدرتی بات ہے ۔ نظامی نے اپنی اس مثنوی میں دستور کے مطابق پہلے حمد لکھی ہے، اور اس کے بعد نعت ۔ نعت کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں جن سے اس عہد کی زبان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے:

محمد بڑا راوتِ جگ اتھا — کہ شجرا چرن رائے جگ مگ اتھا
نبی یار تھے یار تے چار چار — بچارن نبی کام کرتے بچار
نظامی جس اوپر پھری ایک چک — رتن لال موتی بھرے تیس مکھ

جہاں تک قرآئن کا تقاضا ہے اسے ۸۲۵ھ سے ۸۳۹ھ تک کے زمانے کی تصنیف کہا جاسکتا ہے ۔ اس کے بعد ۸۳۹ھ سے ۹۰۰ھ تک کسی اور منظوم کتاب کا سراغ نہیں ملتا البتہ دسویں صدی کے آغاز میں ایک مثنوی "نوسر ہار" کے نام سے اشرف تخلص کے ایک شاعر نے ۹۰۹ھ میں تصنیف کی ۔ اس صدی کے دوسرے باکمال شاعر خوب محمد گجراتی ہیں ۔ خوب محمد نے نثر اور نظم دونوں میں لکھا ہے ۔ ۹۸۶ھ میں انہوں نے ایک کتاب

"خوب ترنگ" کے نام سے لکھی تھی۔ اس میں شیخ کمال محمد کے وہ منقولات نظم کیے گئے ہیں جن کا تعلق معارف محمدیہ سے ہے۔ مثنوی "خوب ترنگ" کی شرح بھی خوب محمد نے ۱۰۰۰ھ میں لکھی تھی جو فارسی نثر میں ہے۔ گیارھویں صدی کا آغاز جس قدر نعت گوئی کیلئے مبارک رہا ہے وہ قابل ذکر ہے۔ یوں تو ۱۰۰۱ھ سے ۱۱۰۰ھ تک دکن میں متعدد شعرا کا پتہ چلتا ہے لیکن ان سب میں محمد قطب شاہ اور ملا وجہی زیادہ توجہ طلب ہیں۔ وجہی قطب شاہی دور کے شاعر اور قدیم دکنی ادب کے بہت بڑے ادیب ہیں۔ انہیں نثر اور نظم دونوں پر قدرت تھی۔ ابتک ان کی تین تصنیفات دریافت ہوئی ہیں: نثر میں "سب رس" اور "تاج الحقائق" اور نظم میں مثنوی "قطب مشتری" ہے۔ "قطب مشتری" کا سن تصنیف ۱۰۱۸ھ ہے۔ اس میں اول حمد اور اس کے بعد نعت شریف میں ۲۶ ابیات ہیں۔ ذکر معراج کی ۴۳ ابیات ان کے علاوہ ہیں۔ وجہی نے سادہ الفاظ میں عقیدت واردات کے خیالات اس جذب و کیف کے ساتھ قلم بند کیے ہیں کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ نمونہ کیلئے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں:

توں سلطان مصحف علم ہے ترا — نبیاں ہور ولیاں سب حشم ہے ترا
اول ہور تھا دین اب ہور ہوا — محمد تی یو دین ور زور ہوا

(ذکر معراج)

صفت کر توں معراج کی رات کا — کہ جاگیا اہے بخت تج بات کا
اتھا اس رین کوں عجب کچھ نور — کہ لاکھاں تھے چانداں کروڑاں تھے سور

اس کی ابیات کو مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" کے مقابل رکھیے تو زبان میں زمین آسمان کا فرق دکھائی دیتا ہے۔ مذکورہ بالا مثالیں مثنویات سے لی گئی ہیں لیکن اس عہد کا ایک مستقل نعت گو اور کامیاب شاعر بھی موجود ہے جسے محمد قلی قطب شاہ کہتے ہیں۔ یہ خاندان قطب شاہیہ کے صاحب علم سلطان تھے جن کا دور حکومت ۹۸۸ھ سے ۱۰۲۰ھ تک رہا۔ یہ اردو کے پہلے شاعر ہیں جنہوں نے نعت کو غزل کے معیار کے مطابق رکھا۔ ان کے اکثر و بیشتر غزلوں کے مقطعات بھی ہادی دین کے ساتھ دلی عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہیں۔ نعتیہ غزلوں کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں جن سے اس دور کی زبان کا بھی اندازہ ہو۔

شاہاں غروری ٹھاؤں تھے، کرتے ہیں اپنی دھاؤں تھے
مستی مری تج ناؤں تھے، کیتی ہے دیوانی مجھے

دیا بندے کو حق نبی کا خطاب
حکم دے دیا نور جوں آفتاب

نعت گویوں کے تیسرے دور کے شعراء میں معظم، بلاقی، عالم، احمد اور مختیار کے نام نمایاں ہیں۔ معظم بیجاپور کا شاعر ہے وہ شاہ امین الدین اعلیٰ کا مرید تھا۔ "معراج نامہ" اس کی تصنیف ہے جو ۱۰۸۰ ھ میں ختم ہوا۔ اس نے "معراج نامہ" کے عنوانات شعر میں لکھے ہیں، جن کو یک جا کرنے سے آٹھ اشعار کی ایک نعتیہ نظم بن جاتی ہے۔ اسی سال بلاقی حیدرآبادی نے بھی ایک "معراج نامہ" لکھا تھا جس میں معراج کی تمام تفصیلات درج کی گئی ہیں۔ اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

ثنا اس اپرنت سزاوار ہے   کرن ہار قدرت میں کرتار ہے

۱۰۸۷ ھ میں "وفات نامہ" تصنیف ہوا جس کے مصنف عالم کوئی صاحب تخلص تھے۔ اس "وفات نامہ" کا ایک ناقص الاول و آخر نسخہ انجمن ترقی اردو (پاکستان) کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ "وفات نامہ" کے دو سال بعد احمد نے "نور نامہ" لکھا۔ یہ ۵۳۰ ابیات کی ایک کتاب ہے۔ شاعر حمد میں کہتا ہے:

الٰہی نرنجن نرن کار توں   نرا دھار آدھار کرتار توں

اس صدی کے آخر میں دو کتابیں اور لکھی گئیں۔ ایک مختار کا "معراج نامہ" دوسرا فتاحی کا "مولود نامہ"۔ فتاحی غالباً پہلا شاعر ہے جس نے "مولود نامہ" لکھا ہے جو بعد کے شعراء میں بہت مقبول ہوا چنانچہ مولودِ سعدی، مولودِ سعیدی، مولود شہیدی اور میلاد صوفی وغیرہ متعدد کتابیں طبع ہوچکی ہیں۔ خود اس کے ہم عصر مختار کا بھی ایک "مولود نامہ" موجود ہے۔ مختار قطب شاہی دور کا شاعر تھا اور اس کا انداز بھی اسی طرح کا ہے۔ فتاحی کا "مولود نامہ" ایک ضخیم کتاب ہے جس میں تین ہزار سے زائد ابیات ہیں۔ گیارھویں صدی کے اختتام تک جتنی کتابیں ہمارے سامنے آئیں وہ سب دکنی شعراء کی تھیں۔ اس دور کے دو نامور شاعر ایک نصرتی مصنف "علی نامہ" اور دوسرا ہاشمی۔ نصرتی بیجاپور کا ساکن اور علی عادل شاہ کا مصاحب تھا۔ اس نے شاہ موصوف کے حالات زندگی مثنوی کی صورت میں قلم بند کئے ہیں۔ نصرتی نے علی نامہ ۱۰۷۶ ھ میں تصنیف

کیا۔ حمد کے بعد نعت اور ذکر معراج میں ۱۲۰ ابیات لکھی ہیں۔ ذکر معراج کی تمہید شب معراج کی وصف سے اس طرح شروع کی ہے:

مرصع کی کسوت سوں یک نس سنوار رکھی آرسی چاند کی پر منجھار

اور جب صاحب لولاک عرش کے مقام پر پہنچتے ہیں تو لکھتا ہے:

دسیا روپ پردے میں وہ بے حجاب کہ جس نور کے ذرہ کئی آفتاب

ہاشمی کا نام سید میراں تھا۔ انہوں نے بھی معراج نامہ لکھا ہے۔ اس صدی کے ایک اور شاعر شیخ محمدمظہرالدین ابن شیخ فخرالدین ابن نشاطی ہیں جن کا شعری کارنامہ "پھول بن" ہے۔ یہ ایک بہت ہی مختصر مثنوی ہے لیکن اس کے مطالعہ سے اس وقت کے طرز بیان اور دکنی اردو زبان کا پورا پورا پتہ چلتا ہے۔ "پھول بن" کا سن تصنیف ۱۰۷۶ھ ہے اور اس میں وہ تمام لسانی خصوصیات موجود ہیں جو ایک اعلیٰ پایہ کے کلام میں متوقع ہیں۔ اس میں بھی اول حمد اور اس کے بعد نعت اور ذکر معراج میں ۲۸ ابیات ہیں۔ نعت کے بعد منقبت ہے۔ چند نعتیہ اشعار نمونہ کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں:

کہوں میں نعت سرور کا شفیع المذنبیں برحق کہ جس کے نور سوں پرتو کیا دو جگ کوں تابانی
کروں میں لے قلم ہات ابتدا نعت سچے حق کے پیمبر کا ادا نعت
شب معراج ہے تجھہ شہ سوں روشن فلک کا باڑ ہے تجھہ مہ سوں روشن

بارھویں صدی میں "شمائل نامہ" کے نام سے دو کتابیں تصنیف ہوئیں۔ ایک کے مصنف عبدالمحمد ترین ہیں۔ دوسری تصنیف صاحبان عثمان کی ہے۔ ترین کی زبان عثمان کے مقابلے میں شستہ ہے۔ عثمان کے شمائل نامہ میں ۱۴۷ ابیات ہیں۔ عبدالمحمد ترین کے "شمائل نامہ" کا سن تصنیف صحیح طور پر تحقیق نہیں کیا جا سکا لیکن یہ ۱۱۵۰ھ سے پہلے کی تصنیف ضرور ہے۔ اس صدی کے ایک اور شاعر عنایت شاہ ہیں جنہوں نے فارسی نثر کا ایک رسالہ دکنی نظم میں منتقل کیا (۱۱۱۱ھ)۔ اس میں ۴۵۰ ابیات ہیں۔ تصنیف کردہ نور نامہ کا یہ شعر:

ترا نور نورٌ علیٰ نور ہے ترے نور سے جگ کو معمور ہے

کافی مشہور ہے۔ بارھویں صدی میں کئی معراج نامے لکھے گئے۔ ان میں سے پانچ معراج ناموں کا علم ابھی تک ہو سکا ہے جن کی تفصیل یہ ہے۔ ایک "معراج نامہ" اعظم تخلص کے ایک شاعر نے لکھا جو فارسی کے شاعر بھی تھے۔ یہ ۱۱۲۰ھ کی تصنیف ہے۔ اس کے مخطوطہ

کے آخر میں تین فارسی غزلیں بھی درج ہیں ۔ دوسرا "معراج نامہ" محمد بن مجتبیٰ مہدوی کا ہے جس کا نام بحرالمعانی بھی ہے۔ وہ ۱۱۸۱ھ میں تصنیف ہوا ۔ تیسرا "معراج نامہ" شاہ کمال الدین کمال ساکن کڑپہ کا ہے۔ یہ حیدر علی کے زمانے میں سرنگا پٹم آگئے تھے ۔ سن تصنیف ۱۱۹۱ھ ہے۔ چوتھا "معراج نامہ" صاحب اورنگ آبادی کا ہے جن کا نام لچھی نارائن تھا ۔ وہ شفیق بھی تخلص کرتے تھے۔ بڑے عالم و فاضل استاد اور قادرالکلام شاعر گذرے ہیں ۔ اس "معراج نامہ" کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ایک غیر مسلم شاعر کا لکھا ہوا ہے۔ زبان کی صفائی دیکھنے کے لائق ہے۔ شب معراج کی کیفیت ایسے پیارے انداز میں بیان کی گئی ہے کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے:

عجائب رات تھی وہ نور افشاں — کہ ہر کوکب تھا اک مہر درخشاں

سفیر نیک پے پیغام لایا — سلام حق کہا اور یہ سنایا

پانچواں "معراج نامہ" مولانا باقر آگاہ کے استاد شاہ ابوالحسن قربی بیجاپوری کا ہے۔ ان کی وفات ۱۱۸۲ھ میں ہوئی۔ قربی نے معراج کے حالات صحیح احادیث کے حوالے سے نظم کیے ہیں ۔ معراج ناموں کے بعد وفات ناموں پر نظر ڈالیں تو صرف دو نام زیادہ نمایاں ہیں ایک علی بخش دریا کا وفات نامہ (سنہ ۱۱۱۱ھ)، دوسرا میر ولی فیاض ولی کا جن کی دہ مجلس مشہور ہے (فہرست کتب خانہ سالار جنگ)۔ ولی کا وفات نامہ دریا کے وفات نامہ کے تقریباً ۵۰ سال بعد تصنیف ہوا اس لیے دونوں کی زبان میں فرق ہے۔ اس دور کی دو ضخیم کتابیں "اعجاز احمدی" اور "ہشت بہشت" بھی ہیں ۔ اعجاز احمدی کا سن تصنیف ۱۱۸۶ھ ہے اسے دکن کے مشہور شاعر نوازش علی شیدا نے تصنیف کیا ۔ اس مثنوی کے چار حصے ہیں ۔ "ہشت بہشت" کے مصنف محمد باقر آگاہ ارکاٹی ہیں ۔ ان کا انتقال ۱۲۲۰ھ میں ہوا ۔ "ہشت بہشت" کے آٹھ حصے ہیں جن میں سیرت اقدس اور اخلاق حسنہ کا بیان زیادہ ہے۔ مثنویات کے بعد غزل ، قصیدہ اور دیگر اصناف سخن کے پیرائے میں نعت لکھنے کا خیال اس وقت تک کسی کو نہیں آیا تھا۔ اسی صدی میں دو ایسے شاعر نظر آتے ہیں جن کے ہاں غزل اور قصیدے کی صورت میں نعت کی مثالیں ملتی ہیں ۔ ایک فدوی خاں فدوی اور دوسرے میر محمد شریف مفتون ہیں ۔ ان کا دیوان (مخطوطہ) تقریباً ۱۱۵۰ھ کی تصنیف ہے۔ دیوان شروع کرنے سے پہلے انہوں نے ۱۷ شعروں کا ایک قصیدہ لکھا ہے جس میں حمد و نعت و منقبت سب کچھ ہے۔ مفتون کا دیوان قلمی موجود ہے۔ اس دیوان میں نعت کے تین قصیدے ہیں ۔ پہلے قصیدے میں ۹۷ اشعار ہیں ۔ اس کا مطلع ہے:

برنگ سجہ سراسر ہو جس میں سلطانی   تمیز ہو سکے کیا اس کا اول و ثانی

دوسرے میں ۵۷ اشعار اور تیسرے قصیدے میں ۶۲ اشعار ہیں۔ یہ دیوان ۱۱۹۴ھ کی تصنیف ہے۔ تیرھویں صدی نے دکن میں بڑے اچھے نعت گو پیدا کیے، جن میں شیر محمد خاں ایمان کا نام سر فہرست ہے۔ ان کے علاوہ اعزالدین خان نامی متوفی ۱۲۴۰ھ، خواجہ معین الدین شاہ خاموش متوفی ۱۲۸۸ھ، خواجہ عبداللہ خان خیر، محمد حیات خاں حیات میسوری، فیاض الدین خاں ادب، شیخ محمود علی ناظم حیدرآبادی اور ندا، مداح نواب ارسطو جاہ خصوصیت کے ساتھ معروف ہیں۔ مشہور مداح رسول مولوی غلام امام شہید بھی اسی دوران حیدرآباد آئے تھے۔ ان حضرات کی تصنیفات نعت میں ہیں۔ چودھویں صدی کا آغاز تیرھویں صدی کی نسبت زیادہ کامیاب ہے۔ سب سے زیادہ مقبول نعت گو اعظم علی شائق ہیں۔ یہ خاص سر زمین دکن سے تعلق رکھتے تھے۔ جنوبی ہند کے نعت گو شعرا میں جناب خطیب بادشاہ مدراسی (وفات ۱۳۴۳ھ) اور سیٹھ محمد اسماعیل مغموم مدراسی (وفات ۱۳۴۸ھ) کے کلیات نعت میں طبع ہو چکے ہیں۔ اسی دور کے شعرا میں ترچناپلی کے غلام مصطفیٰ راسخ (صاحب چمنستان راسخ) کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے نثری و شعری سرمائے میں مدح رسول پر کافی جامع مواد موجود ہے جس کا محفوظ رکھنا ہمارا ملی اور ادبی فرض ہے۔

———

نعت

نعت کا لفظ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے غالباً اسلامی ادب میں، اس معنی میں اسکا استعمال، پہلی دفعہ کیا گیا ہے۔

من راہ بداھۃ ھابہ۔ و من خالطہ **معرفۃ** احبہ یقول ناعتہ لمراء

قلبہ ولا بعدہ مثلہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (شمائل ترمذی۔ صفحہ ۵۶۷)

(ترجمہ) آپ پر یکا یک جس کی نظر پڑتی ہے، ہیبت کھاتا ہے۔ جو آپ سے تعلقات بڑھاتا ہے، محبت کرتا ہے، آپ کا وصف کرنے والا یہی کہتا ہے کہ آپ سے پہلے نہ آپ کے جیسا دیکھا اور نہ آپ کے بعد آپ کے جیسا دیکھا۔

اس عبارت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے بجائے "واصف" کے "ناعت" استعمال کیا ہے۔

(اردو میں نعتیہ شاعری)

پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق

ڈاکٹر سید سخی احمد ہاشمی
شعبۂ اردو ۔ سندھ یونیورسٹی

محسن کاکوروی کی نعت گوئی

(مضمون تاخیر سے موصول ہوا اس لئے مناسب مقام پر نہیں دیا جا سکا ــ مرتب)

ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعمتیں محسن
کلام نعتیہ رکھا مری زباں کے لیے

محسن اپنی سخن سنجی کو قسام ازل کی نعمت قرار دیتے ہیں ۔ اسی لیے وہ اس نعمت کو نعتیہ کلام کے لیے مخصوص کر دیتے ہیں ۔ انکے قصائد، غزل، قطعات اور رباعیات میں نعت نبویؐ نعمت خداوندی کا اظہار ہے ۔ محسن کے لیے یہ بہت بڑی سعادت ہے کہ انہوں نے مقامی رنگ میں نعت کی آمیزش سے چار چاند لگا دیئے اور شاعری کو نکھار دیا ۔ شاعر نے سرور کائنات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کو اپنے لیے سرمایہ افتخار اور لکھنوی شاعری کو باوقار بنایا ۔

شعرا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن صورت اور حسن سیرت دونوں کو نعت میں پیش کیا ہے ۔ حسن صورت کو پیش کرنے میں غالباً شاعرانہ حسن بیان ہی مد نظر نہ تھا بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "انا ملیح و اخی یوسف صبیح" بھی پیش نظر تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر کی رفعت تخیل نے تشبیہات و استعارات کی مدد سے "سراپا" تشکیل دیا جو شاعری میں حسن صورت کا شاہکار ہے ۔ مگر بعض شعرا نے دنیوی محبوب کے خد و خال پر قیاس کر کے "سراپا" لکھے اس لیے وہ افراط و تفریط کے شکار ہو گئے ۔ برخلاف اس کے محسن نے تشبیہات و استعارات کا سہارا لیا اور اعلیٰ موضوع کی مناسبت سے شوکت الفاظ سے مضمون کو بلند تر کر دیا ۔ الفاظ خوشنما اور خوبصورت منتخب کیے ۔ تخیل کی بلند پروازی سے انکی شاعرانہ صلاحیت اور تلمیحات کے بر محل استعمال سے انکی فنی مہارت کا پتہ چلتا ہے ۔ سراپا کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

کیوں نہ سو جاں سے گلزار بہار معنی محو رنگینیٔ تصویر سراپائے نبیؐ
یہ وہ صورت ہے کہ دیکھی نہ سنی ایسی کبھی تھی یہی شکل مقدس کہ ازل میں جو کھنچی

ناز سے خامہ قدرت نے کہا واہ رے میں
بول اٹھا عارض پر نور کہ اللہ رے میں

کیسی تصویر کہ ہے آئینہ پرداز جہاں　　کیسی تصویر کہ ہے صبح بہار امکاں
کیسی تصویر کہ ہے کلک مصور نازاں　　کیسی تصویر کہ لوح و قلم نور افشاں

کیسی تصویر کہ سب صلی علیٰ کہتے ہیں
کیسی تصویر کہ سب جل علیٰ کہتے ہیں

اس سراپا کو پڑھکر تصویر میں ایک حسین پیکر آجاتا ہے جو صانع لازوال کی قدرت کا بے مثال نمونہ ہے۔

محسن نے مثنوی صبح تجلی میں حضور نبی کریم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک کا ذکر کیا ہے۔ مضمون کے اعتبار سے تمہید بڑی بلند و دلاویز ہے۔ ابتدا میں اس مبارک صبح کا ذکر ہے جس صبح میں ولادت مبارک ہوئی ہے۔ رعایت لفظی میں معنوی رعایت اس خوبی سے رکھی ہے کہ لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تفسیر کتاب آسماں ہے　　بیضاوی صبح کا بیاں ہے

قرآن مجید کی مشہور تفسیر بیضاوی نے اس شعر میں جان ڈالدی ہے۔ تفسیر کتاب آسماں کو بھی ذو معنی استعمال کیا ہے یعنی روز ازل میں حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لوح محفوظ میں جو لکھا گیا تھا اسکی تفسیر اس روشن صبح میں ہو رہی ہے اور جس طرح قرآن مجید کی تفسیر بیضاوی ہے اسی طرح لوح محفوظ کی تفسیر آج کی روشن صبح ہے اس لیے کہ اس صبح میں اس ذات بابرکات کا ظہور ہونے والا ہے جسکی خاطر کائنات کو پیدا کیا گیا۔

دیباچہ نگار نسخۂ روز　　ہے خاتمۂ شب دل افروز

وہ شب بھی کتنی دل کش ہے جسکے اختتام پر نور سے بھرپور صبح نمودار ہونے والی ہے اور یہ شب کا آخر دن کے طلوع ہونے کی اطلاع ہے۔

سیپارہ لیے ہوئے ہے دوراں　　آثار سحر ہوئے نمایاں

کتاب آسماں (قرآن مجید) کی رعایت سے سیپارہ نے لطف کو دوبالا کر دیا ہے، پھر دن کی رعایت بھی۔ زمانہ تیسواں ٹکڑا لیے ہوئے، مراد یہ کہ نیا دن (مہینہ کا تیسواں حصہ) ہونے والا ہے۔

آمادۂ دور والضحیٰ ہے　　واللیل کو ختم کرچکا ہے

قرآن مجید کے ذکر کے بعد سورہ واللیل کا ذکر رات کی رعایت سے بڑا پر لطف ہے اور جب رات ہوچکی ہے صبح کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں تو دن کی روشنی کے پھیلنے کا وقت ہے اس لیے آمادہ کا لفظ روشنی پھیلنے ہی والی پر خوب چسپاں کیا ہے۔ قرآن مجید کی سورہ والضحےٰ کو معنوی اعتبار سے کس بلندی پر دکھایا ہے۔

لمبی تمہید میں بڑی تفصیل سے روشن صبح کا ذکر ہے۔ اس پر شوکت تمہید کے بعد لاجواب گریز ملاحظہ ہو:

نا گاہ بجلوۂ عبارت پیدا ہوئی غیب سے بشارت ۶

لفظ بشارت کی معنویت داد کے قابل ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتی نام بشیر کی رعایت کے ساتھ، نوید مسیحا کی طرف بھی اشارہ ہے۔

واقعہ کی مدد سے نعت کے موضوع پر بڑی خوبی سے آجاتے ہیں۔ کہتے ہیں:

اس وقت دیار میں عرب کے — مطلع سے تجلیات رب کے
برج شرف قریشیاں میں — اور ہاشمیوں کے خانداں میں
کعبے کی زمین نامور سے — اور عبدمطلب کے گھر سے
اسلام کا آفتاب چمکا — بے پردہ و بے نقاب چمکا
پیدا ہوئے سرور دو عالم — پیدا ہوئے فخر نوح و آدم
شاہنشہ انبیا محمدؐ — تاج سر اصفیا محمدؐ

قبلہ و کعبہ کو بڑی خوبی سے یکجا نظم کر کے قدرت کلام کو اوج کمال تک پہنچادیتے ہیں اور تصوف کا رنگ بھی جمادیتے ہیں۔ کہتے ہیں:

پیدا ہوئے قبلۂ طریقت — پیدا ہوئے کعبۂ حقیقت
مقصود ازل اجلؐ و اعلیٰ — منظور حضور حق تعالیٰ
سلطان فلک حشم محمدؐ — مہر عرب و عجم محمدؐ
پیدا ہوئے بادشاہ ذیجاہ — آرائش تخت لی مع اللہ

سراپا کی جھلک ملاحظہ ہو:

عین عرفاں و مردم عین — ابرو ے جبیں قاب قوسین
جان و دل مرسلیں محمدؐ — روح روح الامیں محمدؐ

خاتم اور مہر کی رعایت ملاحظہ ہو:

پیدا ہوئے خاتم النبییںؐ — مہر فرمان عزؐ و تمکیں
بامیم احد احمد بلا میم — شائستۂ صد صلواۃ وتسلیم

گنجینۂ اصطفا محمّد آئینہ حق نما محمّد

مثنوی کا اختتامیہ شعر ملاحظہ ہو جس میں جمعہ کے خطبہ کے اختتامیہ الفاظ بڑی خوبی سے لائے ہیں:

ہے ذکر ولادت پیمبر اعلیٰ اولیٰ اہم و اکبر

مثنوی چراغ کعبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کے واقعہ کو نظم کیا ہے۔ معراج شریف سے متعلق احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر رکھ کر واقعہ کو ترتیب دیا ہے۔ تلمیحات کی روشنی میں تشبیہات و استعارات کا گلدستہ رعایت لفظی کے گلدان میں سجایا ہے۔

مثنوی کی ابتدا خدا کے نام سے کرتے ہیں۔ لفظ سواد (لذت) میں تحریر کی خوبی کے اشارے کے ساتھ ساتھ رات کی تاریکی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ دوسرے مصرع میں رات کے ڈھانپ لینے کا ذکر ہے۔ کہتے ہیں:

ہے نام خدا سواد تحریر واللیل اذا سجیٰ کی تفسیر

دریا کی رعایت سے موتی کا ذکر اور مثنوی کی بحر (خفیف) کو پرجوش سمندر سے تشبیہ دینا محسن ہی کا کام ہے۔ معراج شریف کے بیان میں انداز بیان کا ولولہ اور جوش قابل تحسین ہے۔ اس واقعہ کی بڑائی اور عظمت کے پیش نظر شوکت الفاظ کی مناسبت نہایت اعلیٰ ہے۔

دریائے رواں ہے دُرِ نظم آج یہ بحر خفیف بحر موّاج

ذکر معراج کا ہے اس لیے کلام کی بلندی لامکاں تک اور کلیم کی پہنچ آسمان تک ہے۔ چونکہ اس رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا اس لیے لفظ کلیم نے اس شعر میں جان ڈال دی ہے۔ پھر اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آج کے کلیم کی رسائی آسمان تک ہے۔

جاتا ہے کلیم آسماں تک معراج سخن ہے لامکاں تک

اس تمہید میں محسن نے اپنی شاعری کا سارا زور لگادیا ہے اور حق یہ ہے کہ جیسا مضمون بلند ہے ویسے ہی اسکو کمال معراج پر پہنچانے میں اپنی شاعرانہ صلاحیت سے کام لے کر شاعرانہ عظمت قائم کی ہے۔

چونکہ معراج کا واقعہ نصف شب کے بعد ہوا اور آدھی رات کے بعد رات بھیگ جاتی ہے اس لئے شاعر نے اس محاورے سے خاطر خواہ فائدہ اٹھاتے ہوئے اسکی توجیہہ بڑے دلآویز طریقہ پر کی ہے کہ چونکہ رات خانہ کعبہ میں داخل ہوئی ہے اس لیے نہا کر اور وضو کر کے آئی ہے۔ بھیگی ہوئی کی رعایت سے آبرو لائے ہیں اور اس کے بعد کے اشعار میں تلازم ارکان حج کا اہتمام کیا ہے۔ حج پر جانے والے حضرات نہا کر، ردا (چادر) جسم سے لپیٹتے ہیں جسکو احرام کہتے ہیں۔ حرم شریف میں باوضو داخل ہوتے ہیں۔ الفاظ ردا (چادر)، احرام،

سعی صفا، محرم، رمی جمار، ھدی اور سات مرتبہ صفا اور مروہ (مسجد حرام سے متصل پہاڑیوں) کے درمیان دوڑنا، یہ سارے ارکان بڑی خوبی سے نظم کیے ہیں۔ کہتے ہیں:

بھیگی ھوئی رات آبرو سے داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے
اوڑھے ہوئے لیلی گل اندام شبنم کی ردا بقصد احرام
گویا نہا کے آئی فی الحال جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال
کیا سعی صفا سے رنگ فق ھے سر سے پا تک عرق عرق ھے

شب کو لیلیٰ قرار دیتے ھیں لہذا نامحرم کا خیال بھی رکھتے ھیں۔ شب اور لیل کا تعلق بھی دیکھنے والا ھے۔ کہتے ھیں:

نا محرموں سے چھپائے چہرہ پروین کو بنائے منھ کا سہرا

ستاروں کے ٹوٹ کر گرنے کا اشارہ رمی جمار (شیطان کو کنکری مارنا) کی طرف بڑی خوبی سے کیا ھے کہتے ھیں:

گرتے ھوئے ٹوٹ کر ستارے ھے رمی جمار کے اشارے

آگے چل کر حضرت جبرئیلؑ کی مدح اور براق کی خوبیاں بیان کی ھیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیت اللہ تشریف لانا اور وھاں سے بیت المقدس تشریف لے جانا بیان کیا ھے اور بعد میں آسمانوں کے سفر کی تفصیل ھے۔ اس بیان میں مختلف مواقع پر نعتیہ اشعار بڑا لطف دیتے ھیں۔ پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ سے ملاقات ھوتی ھے۔ دو پیغمبروں کی ملاقات جس میں ایک پہلے اور دوسرے آخری پیغمبر ھیں۔ پھر پہلے وہ ھیں جنکی اولاد میں سب انسان ھیں۔ اس ذکر میں درجات کو ملحوظ رکھنا بڑا دشوار ھوتا ھے مگر محسن اس مرحلہ سے بڑی خوبی سے گذر جاتے ھیں اور ھر ایک کا ذکر عین اسکے مرتبے کے مطابق کرتے ھیں اس مشکل کام کو بڑے آسان طریقے سے بیان کرتے ھیں۔ کہتے ھیں:

آیا جو وہ فخر عالم آدمؑ نے کہا خیر مقدم
فرخندہ پسر ملا پدر سے خیر البشر اول البشر سے

محسن کی نعت گوئی کے مختصر جائزے میں ان کے انداز بیان کا سرسری جائزہ ھی لیا جاسکتا ھے اور مختصر جائزے میں انصاف کے سارے تقاضے پورے کرنا مشکل ھے۔ ضرورت ھے کہ انکے ایک ایک لفظ کی دلکشی اور معنوی خوبی کا تفصیلی جائزہ لیا جائے اور انکو وہ مقام دیا جائے جسکے وہ حقدار ھیں۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ

عفت بانو ۔ ایم۔اے
شگفتہ نسرین۔ ایم۔اے
سابق طالبات۔ شعبۂ اردو۔ سندھ یونیورسٹی

نعتیہ مجموعے اور دواوین

(اردو)

عربی اور فارسی کے مقابلے میں اردو زبان اس لحاظ سے ممتاز حیثیت کی حامل ہے کہ اس زبان کی شاعری کا آغاز ہی مذہبی حیثیت سے ہوا۔ دورِ اول سے لیکر دورِ حاضر تک اکثر شعرا نے نعتیہ اشعار کہہ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے۔ بہت سے شعرائے کرام نے نعتیہ دواوین بھی تشکیل دیئے ہیں۔ اپنے احاطۂ علم کے مطابق ذیل میں اردو کے نعتیہ دواوین اور مجموعوں کی فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے پیش کی جا رہی ہے:

مصنف	مضمون	سنِ اشاعت	مطبع	بحوالہ
ابرار، شیخ محمد ابراہیم	نالۂ ابرار	ندارد	ندارد	تذکرہ" بہارسخن"
احسن عمرانی	اقبال در مدح محمد و آل محمد	۱۹۷۷ھ	حق برادرز، انارکلی لاہور	روزنامہ جنگ
احمد علی	دیوانِ نعتیہ	۱۸۸۵ء	نول کشور پریس لکھنؤ	قاموس الکتب
اختر شیرانی	ترتیل	۱۳۴۸ھ	حلقۂ اربابِ حیثیت کراچی	
افضال حسین نقوی	مدحتِ آلِ محمد اور اقبال	۱۹۷۷ء	انجمن سفینۂ ادب کراچی	روزنامہ جنگ
اقبال عظیم	قابِ قوسین	ندارد	ایوانِ اردو کراچی	روزنامہ جنگ
اکبر میرٹھی، خواجہ صوفی محمد اکبر	باغِ کلامِ اکبر	۱۹۴۶ء	دہلی پرنٹنگ ورکس	اردو میں نعتیہ شاعری (ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق)
"	ریاضِ اکبر	ندارد	ندارد	"
"	گلزارِ اکبر	ندارد	ندارد	"
"	نہالِ روضۂ اکبر	ندارد	ندارد	"
"	گلستانِ اکبر	ندارد	ندارد	"

مصنف	مضمون	سن اشاعت	مطبع	بحوالہ
الیاس برنی	تحفۂ محمدی طبع اول (چار حصے)	۱۳۴۸ھ	تاج کمپنی	—
الیاس برنی	معروضہ	ندارد	ندارد	اردو میں نعتیہ شاعری
امجد، سید امجد حسین حیدرآبادی	نذرِ امجد	ندارد	ندارد	"
"	ریاض امجد	"	"	"
"	حج امجد	"	"	"
"	صبح امجد	"	"	"
"	رباعیات امجد	"	"	"
امیر حمزہ منشی محمد شمس الدین	چمنستان حمزہ	۱۳۴۸ھ	"	"
امیر مینائی، امیر احمد	محامد خاتم النبیین	۱۸۷۲ء	نول کشور پریس لکھنو	قاموس الکتب
"	مراۃ الغیب	ندارد	ندارد	اردو میں نعتیہ شاعری
انور غوری حکیم ولی محمد	دیوانِ نعت	ندارد	ندارد	تذکرۂ بہار سخن
انور فیروزپوری	مختار کل	۱۹۷۷ء	بزم مصطفیٰ حبیب گنج لاہور	
انیسہ ہارون شروانیہ	انیسیات	ندارد	ندارد	اردو میں نعتیہ شاعری
برگ یوسفی	دیوانِ نعت	ندارد	ندارد	اردو میں نعتیہ شاعری
بشیر زواری	خزینۂ نعت	۱۹۶۸ء	ایجوکیشنل پریس کراچی	"
بیدل جبل پوری	انوارِ طیبہ	ندارد	ڈیسنٹ پرنٹنگ پریس کراچی	
بیدم وارثی	مصحفِ بیدم	ندارد	ملک سراج الدین اینڈ سنز	
بیکل اتساهی محمد شفیع خان بلرام پوری	آفتابِ نور	ندارد	شفاعت بک ڈپو لاہور	
"	نور یزداں	ندارد	"	
بہزاد لکھنوی	ثنائے حبیب	۱۹۵۴ء	ندارد	قاموس الکتب
"	کفر و ایمان	۱۹۴۴ء	اردو اکیڈمی لاہور	
"	نعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم	ندارد	ندارد	"
"	کرم بالائے کرم	ندارد	ندارد	"

مصنف	مضمون	سن اشاعت	مطبع	بحوالہ
بہزاد لکھنوی	موجِ طہور	ندارد	ندارد	قاموس الکتب
"	نغمۂ روح	ندارد	ندارد	"
تفضل حسین	دیوانِ نعت	ندارد	نول کشور پریس لکھنو	قاموس الکتب
جلیل، جلیل حسن	معراجِ سخن	١٣٤٦ھ	ندارد	اردو میں نعتیہ شاعری
حسرت، عبدالقدیر	زمزمۂ محبت	١٣٥٣ھ	"	" "
حسن رضا خان بریلوی	ذوقِ نعت	١٣٢٦ھ	دین محمدی پریس لاہور	—
حمید، حمیدالدین	گلہائے عقیدت	ندارد	ندارد	—
حمید صدیقی	گلبانگِ حرم	١٣٦٥ھ	نامی پریس لکھنو	قاموس الکتب
خاطر، محی الدین	بہارستانِ تقدس	١٢٩٣ھ	ندارد	قاموس الکتب
خفی، صاحبزادہ ابوالفیض سعدالدین	ذکرِ خفی محامد فی النبی	١٣١٠ھ	حیدرآباد دکن	" "
درد کاکوروی	درد کا درماں	ندارد	ندارد	اردو میں نعتیہ شاعری
"	جام کوثر	"	"	" "
راجہ رشید	مدح رسول	ندارد	ندارد	—
"	نعتیں	ندارد	پاپولر پبلشرز چوک جین مندر لاہور	—
رحماں علی	گلزارِ نعت	١٨٨٨ء	نظامی پریس کانپور	قاموس الکتب
ریاض	دیوانِ ریاض	ندارد	نولکشور پریس لکھنو	" "
ساجد صدیقی	مقبول سلام	١٩٦٣ء	مکتبۂ دین و ادب لکھنو	—
"	ارمغانِ نعت	١٩٦٣ء	"	—
سروری، مفتی غلام سرور	سفینۂ نعت	ندارد	ندارد	قاموس الکتب
سلیم الدین	آبِ کوثر	ندارد	ندارد	" "
"	موجِ کوثر	ندارد	ندارد	" "
"	جامِ کوثر	ندارد	ندارد	" "
سلیم اللہ بدایونی	مخمسات سلیم	ندارد	نظامی پریس بدایوں	
سید سیفی	دیوانِ نعتیہ	١٣٤٥ھ	حیدرآباد دکن	قاموس الکتب

مصنف	مضمون	سن اشاعت	مطبع	بحوالہ
شاد، کشن پرشاد	ہدیہ شاد	۱۳۲۶ھ	ندارد	اردو میں نعتیہ شاعری
شاطر	گلستانِ نعت	ندارد	عزیز دکن پریس حیدرآباد دکن	قاموس الکتب
شایق، میراعظم علی خاں	کلیاتِ شایق	طبع سوم ۱۳۳۸ھ	ندارد	اردو میں نعتیہ شاعری
شریف	حبیب یوسف	۱۳۵۴ھ	افضل پریس حیدرآباد دکن	قاموس الکتب
شفیق بریلوی	ارمغانِ نعت	۱۹۷۷ء	مرکز علوم اسلامیہ	
"	رسالہ "خاتونِ پاکستان" رسول نمبر	"	"	
شہید، غلام امام	گلزارِ خلیل	۱۸۷۸ء	نولکشور پریس لکھنو	قاموس الکتب
"	مولود شریف	ندارد	ندارد	اردو میں نعتیہ شاعری
ضیاء القادری	نغمۂ ربانی	ندارد	عثمان پریس بدایوں	قاموس الکتب
ضیا محمد عبدالرحیم	ضیائے نبوت	۱۲۸۰ھ	ندارد	"
طوفان، سید افضل خاں چشتی	طوفانِ رحمت	۱۲۵۱ھ	ندارد	اردو میں نعتیہ شاعری
ظفر، سراج الدین	مجموعہ مخمسات در نعتِ سرور کائنات	۱۲۶۸ھ	مصطفائی پریس دھلی	قاموس الکتب
ظفر علی خاں	خیالستان	ندارد	مکتبہ کارواں لاہور	
عابد علی عابد اسدی	قندِ مکرر	۱۳۹۷ھ ۱۹۷۷ء	ندارد	
عبدالحمید خاں	کلیاتِ نعتیہ	ندارد	ندارد	قاموس الکتب
عبدالرشید	مدحِ پیغمبراں	۱۲۹۶ھ	ندارد	"
عبدالعزیز خالد	منحمنا	۱۹۶۶ء	بک لینڈ کراچی	
"	فارقلیط			
عرش ملسیانی، پنڈت بال مکند	آہنگِ حجاز	۱۹۵۳ء	ندارد	اردو میں نعتیہ شاعری

مصنف	مضمون	سن اشاعت	مطبع	بحوالہ
عزیز لکھنوی، مرزا محمد ہادی	صحیفۂ ولا	ندارد	صدیق بک ڈپو	اردو میں نعتیہ شاعری
عشقی، غلام مصطفیٰ	محامد محمدی	۱۳۳۲ھ	حسن پریس حیدرآباد دکن	قاموس الکتب
"	تحفۂ خلد	ندارد	نظامی بک ایجنسی بدایوں	"
غلام احمد خاں	سرور احمدی (دو حصے)	ندارد	ندارد	"
فاضل، حسام الدین	ہدیہ فاضل	۱۳۲۵ھ	اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن	"
فوق، محمد الدین	اذان بتکدہ	۱۹۳۴ء	ندارد	اردو میں نعتیہ شاعری
قاضی محمد عمر	حدیث قدسی	۱۲۸۰ھ	مطبع مخدومی بمبئی	—
قمر میرٹھی	شمس و قمر	ندارد	سنگ میل پبلیکیشنز اردو بازار لاہور	روزنامہ مشرق
کمتر، عبدالکریم	نذر پیمبر (تین حصے)	ندارد	ندارد	
لطف، محمد لطف علی خاں	دیوان لطف	۱۲۷۹ھ	مطبع نظامی کانپور	اردو میں نعتیہ شاعری
ماہر القادری	ذکر جمیل	ندارد	اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن	اردو میں نعتیہ شاعری
متین، محمد محسن خاں	زمزمۂ نعت	ندارد	"	قاموس الکتب
محسن کاکوروی، محمد محسن	گلدستۂ محسن	۱۲۹۹ھ	نول کشور پریس لکھنو	"
محمد حسین خاں	گلدستۂ نعت	۱۸۷۳ء	دلی	"
محمد خیر الدین	مجموعہ نعت	۱۹۵۴ء	ندارد	"
محمد شریف	خزینۂ نعت	ندارد	ندارد	"
محمد صادق	در بے بہا	ندارد	ندارد	"
محمد مرغوب اختر	نعت محل	ندارد	ندارد	تذکر بہار سخن
مریم افضال قادری	نغمات حرم	۱۹٦۸ء	ایجوکیشنل پریس	—
محمد نذیر	بیاض نعت	ندارد	نظامی پریس بدایوں	قاموس الکتب
محمودہ خاتون	دیوان نعت	۱۹۵۵ء	دانا پور، پٹنہ	

مصنف	مضمون	سن اشاعت	مطبع	بحوالہ
مجید، عبدالمجید خاں	کلیات نعتیہ مجیدیہ	۱۸۹۲ء	ندارد	قاموس الکتب
معلی، محمد مظفرالدین	ریاض معلی	۱۳۴۵ھ	عماد پریس حیدرآباد دکن	اردو میں نعتیہ شاعری
مکھن لال، راجہ	دیوان مکھن لال	ندارد	ندارد	"
ممتاز حسن، ڈاکٹر	خیرالبشر کے حضور میں	۱۹۷۵ء	نقوش پریس لاہور	"
منور بدایونی	منور نعتیں	۱۹۶۳ء	سلطان حسین اینڈ سنز کراچی	"
منور حسین	دیوان مناقب خیرالبشر	۱۸۸۲ء	نول کشور لکھنو	"
نثار احمد	نوائے سروش	۱۳۸۷ھ	نئی روشنی آفسٹ پریس	"
(۱) نجم الاسلام، ڈاکٹر	محسن انسانیت	۱۹۷۱ء	سندھ یونیورسٹی پریس حیدرآباد	"
نورالحسن کاکوروی	کلیات نعت	۱۳۲۳ھ	مطبع نظامی کانپور	قاموس الکتب
نوری، انیس احمد	مجموعہ نعت (حصہ اول)	ندارد	ناشر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر	"
وحید ھسوی	دیوان نعتیہ	۱۹۲۹ء	اکلیل برانچ	"
یعقوب محمد	گلدستہ نعت	۱۳۵۳ھ	حیدرآباد دکن	"

مزید

مصنف	مضمون
ابوالوفا عارف	صدائے عارف
احسان دانش	دارین
ادیب مکن پوری	نور ازل

---

(۱) محسن انسانیت، مادام ایلسا قاضی کی طویل انگریزی نظم The Prophet of Islam کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ اس نظم کے مترجم موجودہ صدر شعبہ اردو جامعہ سندھ، ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب ہیں۔ یہ ترجمہ ۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ منظوم سندھی ترجمہ موجودہ صدر شعبہ سندھی ڈاکٹر عبدالجبار جونیجو صاحب نے کیا ہے۔ محترمہ ایلسا قاضی کی انگریزی نظم مع اردو، سندھی تراجم یکم جون سنہ ۱۹۷۱ء کو پروفیسر حسن علی عبدالرحمان، وائس چانسلر، جامعہ سندھ، کے زیر ادارت شایع ہوئی۔

ارمان قادری	ارمان نبی
اعجاز رحمانی	اعجاز مصطفیٰ
بیکل اتساهی، محمد شفیع خاں بلرام پوری	سرورِ جاوداں
"	نور کی برکھا
"	بزمِ رحمت
"	عرش کا جلوہ
"	حسنِ مجلیٰ
"	ترانۂ بیکل
راحت علی راحت	مجاز و حقیقت
رعنا اکبرآبادی	تسبیح رعنا
ساجد صدیقی والی آسی	صہبائے حرم
"	نسیمِ حجاز
"	چراغِ کعبہ
"	منتخب سلام
سرور سنبھلی	قلزم نور
سیف زلفی	روشنی
شکیل بدایونی	نغمۂ فردوس
شیر محمد ترمذی	شانِ مصطفیٰ
صابر براری	فردوس عقیدت اور جام طہور
صبا متھراوی	دربار رسالت میں
صولت علوی	نعتِ رسول
"	مقبول نعتیں
ضیاء القادری	آئینہ انوار
"	تجلیاتِ نعت
"	نغمہ ہائے مبارک

عزیز سلونوی	شمعِ ازل
فرمان فتح پوری، ڈاکٹر	اردو کی نعتیہ شاعری (انتخاب)
فضل حق چودھری	رضوانِ نعت
"	آہنگ حجاز
فیضی، سید	نور و ظہور
قیصر الجعفری	نبوت کے چراغ
کامل جوناگڑھی	مطبع انوار
کشفی، ڈاکٹر ابوالخیر	نقش سعادت
محشر بدایونی	مقبول نعتیں
محشر رسول نگری	فخر کونین جلد اول ۱۹۶۱ء
"	فخر کونین جلد دوم ۱۹۶۴ء
محمود الہ آبادی	شمعِ حرم
محمود علی خاں	حمد و نعت
مسرور کیفی	چراغ حرا
مظفر وارثی	بابِ حرم
ممتاز خوشتر کھنڈوی	گل افشانیاں
نازش پرتابگڑھی	نوائے ایمان
نسیم امروہوی	مسدس نسیم

متفرق: (۱) نالہ بسمل، غلام اللہ بسمل شاگرد مرزا اسداللہ خان غالب کا نعتیہ دیوان ہے، یہ دیوان انہوں نے ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء میں مرتب کیا تھا۔

غالب کے شاگرد سوزاں اور مداح کا نعتیہ دیوان ۱۸۶۸ء میں چھپا تھا۔

غالب کے ایک اور شاگرد عزیز صفی پوری کا نعتیہ دیوان "بعنوان نعتِ محبوب" ہے۔ ان کے علاوہ نواب محمد مردان علی خاں نے ایک نعتیہ دیوان مہر نبوت کے عنوان سے مرتب کیا تھا۔ یہ بھی مرزا اسداللہ خاں غالب کے شاگرد تھے۔

(۲) شاہ احمد رؤف رافت رام پوری جرأت نے رسالہ مولود لکھا تھا، جس میں ۱۵۰۰ نعتیہ اشعار موجود ہیں۔

عزیز بھوپالی، جو موج لکھنوی کے شاگرد تھے، خاص طور پر نعت کے لئے مشہور تھے۔ ان کے نعتیہ مجموعوں میں نعت عزیز، تضمینِ عزیز اور مولود شریف شامل ہیں۔

پیرزادہ محمد اسماعیل رخشاں کا نعتیہ مجموعہ کلام قندیلِ رخشاں کے نام سے چھپا تھا۔

بھوپال کی شاعرات میں ایک شاعرہ فاطمہ قیصری ریحانہ کا ایک نعتیہ مجموعۂ کلام ہے، جس کا عنوان تحفۂ دل ہے۔

نعت رسول: اس مجموعے میں جسے فیروز سنز نے شایع کیا ہے، مشہور شعرا کی نعتیں شامل ہیں۔

پنجاب پبلک لائبریری لاہور کی فہرست مطبوعات میں حسب ذیل مزید نعتیہ مجموعوں کا ذکر آتا ہے:۔

امانت علی: تذکرۂ رسول اکرم منظوم (لکھنؤ ۱۸۷۷ء)

ز-خ-ش: آئینہ حرم (۱۹۲۱ء لاہور)

شہید: قصہ حلیمہ سعدیہ (۱۸۸۲ء کانپور)

غلام سرور: نعت سروری (۱۸۸۵ء لکھنؤ)

کافی: بہار خلد، مجموعہ معجزات نبوی، نسیم جنت (لکھنؤ، کانپور)

محمد حسین صادق: نعتیہ کلام (لاہور)

محمد مردان علی خاں: مہر نبوت (لکھنؤ ۱۲۸۸ھ)

محسن کاکوروی: گلدستۂ محسن (لکھنؤ)

وزیر علی عاقل: مظہر المیلاد (لکھنؤ ۱۸۸۴ء)

---

(۱) بحوالہ تلامذۂ غالب، مصنف مالک رام۔

(۲) بحوالہ اردو شعر و ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ، مصنف ڈاکٹر حامد حسین رضوی۔

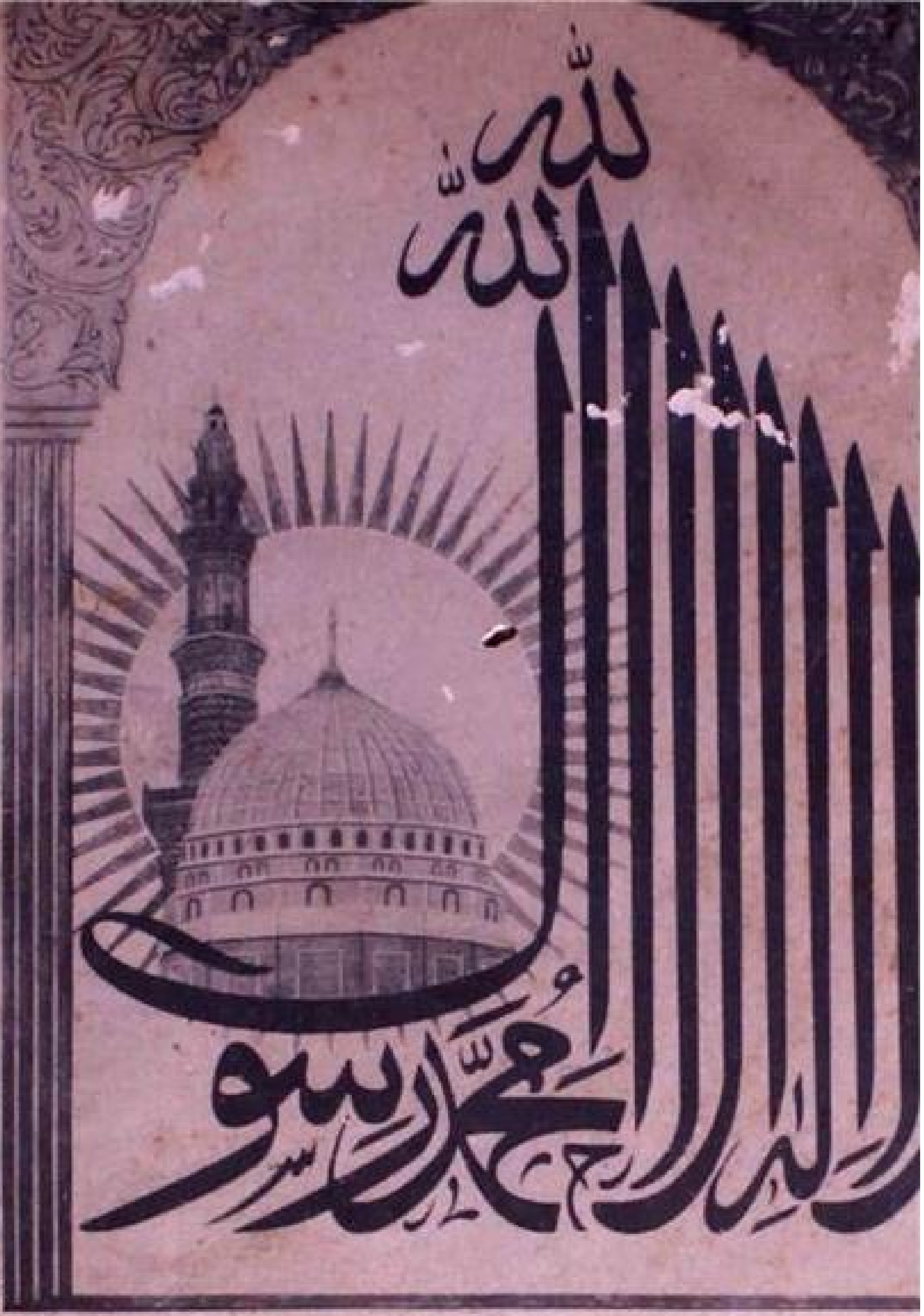

حریم خامہ کے "نعت نمبر" کا سرورق پاکستان کے مایۂ ناز حرف شناس تاج الدّ[illegible] سکھر کے نقشِ جمیل سے مزین ہے
[illegible] صاحب نہ صرف فنِ خطاطی کی تمام اصناف پر عبور رکھتے ہیں بلکہ آیاتِ قرآنی کا جمالیاتی شعور بھی رکھتے ہیں، انھوں نے
[illegible] پینے کی دال پر سورۂ اخلاص، مونگ کی دال پر کلمۂ طیبہ، تل کی ایک جانب پنجتن پاک کے نام اور خشخاش کے دانے پر
[illegible]للہ اکبر لکھ کر التزامِ روایت کے ساتھ جس نزاکتِ ہنر کا مظاہرہ کیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے — انھوں نے اپنی
عمر کے ۷۰ سال اس فن کی خدمت میں صرف کیے اور اسلامی ثقافت کا ایک سے ایک حسین مرقع دنیا کے
سامنے پیش کیا۔ کاش ایسے عظیم فن کار کو حکومتِ پاکستان کی سرپرستی بھی حاصل ہوتی ۔

[illegible]

۱ رمضان ۱۳۹۸